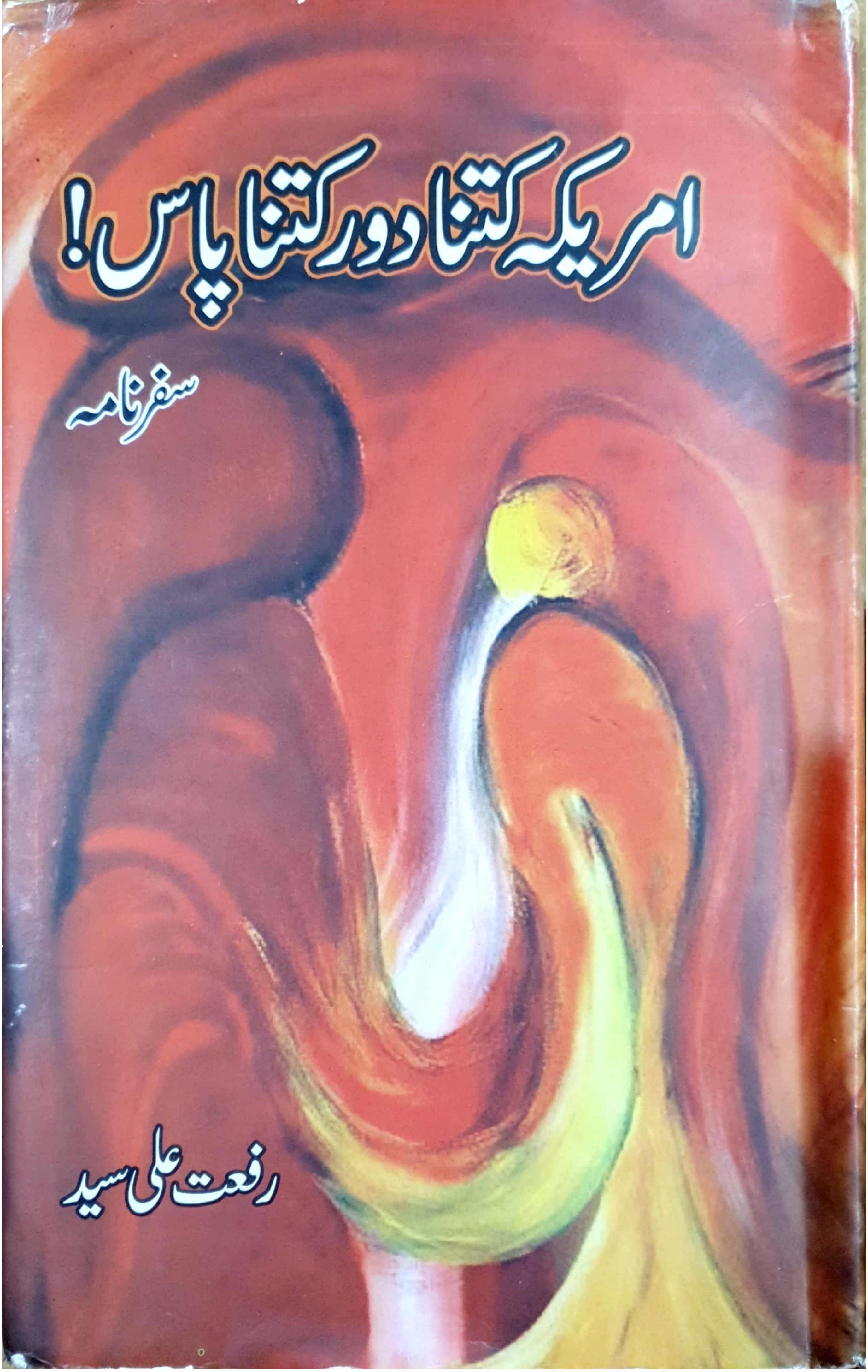

Scanned with CamScanner

مامتا کے کرب اور جذبات کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتا ہوا

امریکہ کتنا دور کتنا پاس!

سفرنامہ

رفعت علی سید

ملاقات پبلیکیشنز گلبہار پشاور شہر

Scanned with CamScanner

ضابطہ

اشاعت	۹ نومبر ۲۰۱۴ء
کتاب	امریکہ کتنا دور کتنا پاس
مصنفہ	رفعت علی سید
اہتمام	حسام حُرؔ
سرورق	افراز علی سید
نگران	رشید مصباح
پرنٹرز	جدت ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز
اشاعت	۲ نومبر ۲۰۱۴ء
قیمت	۲۰۰ روپے

ملاقات پبلیکیشنز گلبہار پشاور شہر

Scanned with CamScanner

اپنی ''ماں جی'' کے نام

جنہوں نے میرے بیٹے افراز علی سید
کو پال پوس کر اور سہرے کے پھول
کھلنے کی دعائیں دے دے کر بڑا کیا
،اور جب وہ وقت آیا تو ضعف اور
بیماری نے ان سے پلکیں اٹھا کر دیکھنے
کی طاقت بھی چھین لی تھی۔

Scanned with CamScanner

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے

(میر حسن)

Scanned with CamScanner

سرگوشی

میری اس سفر کہانی میں شاید آپ کو ادبی چاشنی نہ ملے، اور نہ ہی اس تحریر میں وہ گرفت محسوس ہو جو ادبی سفر ناموں کا خاصا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ادب خصوصاً فکشن پڑھا تو بہت ہے۔ پھر گھر میں علی (ناصر علی سید) کی وجہ سے آئے دن ہونے والی ادبی ملاقاتوں کا ذائقہ بھی چکھا ہے۔ ادبی تقریبات میں شرکت بھی کرتی رہی ہوں، گاہے گاہے سٹیج پر جا کر بات بھی کی ہے۔ ماہنامہ ہفت رنگ کے زمانے میں خواتین کے شعبہ کی نگران بھی رہی ہوں۔ ایک آدھ کہانی بھی شائع ہوئی ہے گویا لکھا بھی ہے۔ مگر میں قطعاً کوئی لکھاری نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھیں کہ میری یہ سفر کہانی بھی محض ایک ماں کی اس بے چینی اور تڑپ کا قصہ ہے۔ جس کا لاڈ و پیار سے پلا ہوا بیٹا اس سے ہزاروں میل دور اپنی ایک نئی دنیا بنانے اور بسانے گیا ہوا ہے۔ مائیں تو دعاؤں اور ٹھنڈی چھاؤں کی گٹھڑی سروں پر اٹھائے سورج مکھی کی طرح اپنے بچوں کے چہرے ڈھونڈتی کھوجتی رہتی ہیں۔ سو یہ سفر کہانی بھی پڑھنے والوں سے رعایتی نمبر لینے کی متقاضی ہے۔ اس سفر کہانی میں آپ کو اگر امریکہ کی بجائے میرے بیٹے افراز کا ذکر زیادہ لگے تو اسے میری ممتا کی مجبوری سمجھ کر برداشت کر لیں لیکن اگر آپ اسے میرے دل کی آنکھوں سے پڑھیں گے تو یہ اس تحریر کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوگا۔ میں قلم کی قسم کھانے والے رب العالمین کی شکر گذار ہوں جس نے مجھے اس تحریر کی توفیق بخشی۔ اور پھر میں بھائی حسام حر کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جو ہمارے دکھ سکھ کے سارے موسموں میں اپنی پوری فیملی (ثریا بھابی، رامش، عینی بٹیا اور اسد) کیساتھ شریک ہوتے اور رہتے ہیں۔ اور یہ ان کا آئیڈیا تھا کہ اگر علی کے دعوت نامہ میں ''مسٹر اور مسز ناصر علی سید'' لکھا جائے تو ممکن ہے اس طرح دونوں کا ویزہ لگ جائے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

مجھے شکریہ ادا کرنا ہے عتیق صدیقی بھائی اور ذکیہ بھابی کا جن کی محبتوں نے میرے سفر کو بھی وسیلۂ ظفر بنایا۔ جس طرح وہ علی کے سفر کو بناتے ہیں اور بناتے رہے ہیں۔ اور جنہوں نے ہمارے

Scanned with CamScanner

بنگ ہیمٹن کے قیام کے دوران اپنی بھری پری اور خوبصورت کوٹھی ہمارے سپرد کر دی تھی۔ اور جن کے بے پناہ پیار اور از حد توجہ نے افراز سے جدائی کے دکھ کی شدت کو بہت کم کر دیا تھا اور میری پشاور واپسی کو آسان کر دیا تھا۔ مجھے شکریہ ادا کرنا ہے نیویارک کے ڈاکٹر محمد شفیق اور نگہت بھابی کا جن سے پہلی ملاقات نے ان کا ایسا گرویدہ بنا دیا جیسے ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور نگہت بھابی تو ایسے ملی جیسے کمبھ کے میلے میں بچھڑی ہوئیں دو بہنیں ملتی ہیں۔ مجھے شکریہ حلقہ ارباب ذوق کے طاہر خان ان کی مسز اور ان کی بچیوں کا بھی ادا کرنا ہے جن سے مختصر ملاقات نے اجنبیت کی ساری دیواریں گرا دیں۔ ڈینور کے قیام کے دوران داؤد حسین عابد بھائی، زہرہ بھابی، عامر بھائی، شازیہ بھابی، افراز بیٹے، کومل بٹیا کا تو کیا شکریہ ادا کرنا کہ پھر تو اپنا، علی کا، شام کا، پشاور میں مونا کا، بھائی خالد وسیم کا، بہزاد اور سلمیٰ کا، ذیشان کا بھی ادا کرنا ہو گا۔ البتہ یہ ضرور کہوں گی کہ مجھے بتایا گیا ہے، کہ جس نے نیویارک نہیں دیکھا اس نے امریکہ نہیں دیکھا۔ سو لازم ہو گیا کہ میں تسنیم شہزاد بھائی اور اس کی فیملی (بھابی، بیٹی، بیٹے) کا خصوصی شکریہ ادا کروں جن کی مدد، محبت اور رہنمائی سے ہم نے نیویارک کو صحیح معنوں میں ایکسپلور کیا۔ میری دعا ہے کہ علی کے ان سب دوستوں کو میرے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں خوش و خرم رکھے اور کامیابیوں حصول میں آسانیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ امریکہ جا کے افراز سے ملنا ایک خواب تھا جو اللہ نے پورا کیا۔ اب اس سفر کہانی کو حسام حر نے "ملاقات پبلیکیشنز" کے ذریعے کتاب "امریکہ کتنا دور کتنا پاس" کی صورت میں پیش کر کے گویا اس خواب کو تعبیر سے ہم کنار کر لیا۔ اسے میں اپنی خوش بختی کے سوا اور کیا کہوں گی۔

دعاؤں کی طالب

رفعت علی سید

29، اکتوبر 2014ء

امریکہ کتنا دُور کتنا پاس

سفر کا لفظ میرے لئے بہت ہی پرکشش ہے اس کے ذکر سے ہی مجھے اپنے اندر ایک جوش اور خوشی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جب بھی کہیں جانے کی بات ہوتی ہے یا کوئی پروگرام بن رہا ہو گھنٹہ ڈیڑھ دور اپنے گاؤں اکوڑہ خٹک تک جانے کا ہی ارادہ ہو تو میں رات ہی سے تیاریاں مکمل کر لیتی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ صبح سویرے نکلنے کا پکا ارادہ علی (ناصر علی سید) کی وجہ سے ہمیشہ ٹوٹ جاتا ہے ایسا ہر بار کیوں ہو جاتا ہے۔ ہر بار سوچتے ہیں مگر آج تک کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کیونکہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ بات ایسی قطعاً بھی نہیں ہوتی کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے لیکن ایسا بھی کئی بار ہوتا ہے کہ کہیں جانے کا اچانک پروگرام بن جاتا ہے اور ہم نکل پڑتے ہیں۔ ایسا اکثر ان دنوں ہوتا ہے جب بچوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔ پھر پروگرام مری جانے کا ہوتا ہے مگر حسن ابدال پہنچتے پہنچتے ایبٹ آباد کی طرف مڑ جاتے ہیں کہ اس راستے سے مری جاتے ہیں اور پھر ایبٹ آباد پہنچ کر کاغان ناران کا رخ کر لیتے ہیں۔ اور جا کر جھیل سیف الملوک پر دم لیتے ہیں۔ ہماری فیملی بس ایک گاڑی کی سواریوں جتنی ہے اس لئے بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں پڑتی علی جدھر کا کہتے ہیں میرا بیٹا افراز ادھر ہی گاڑی کا سٹیئرنگ گھما دیتا ہے۔ میرا عمل دخل بس اتنا ہوتا ہے کہ علی پوچھ لیتے ہیں، ''کیا خیال ہے ناران نہ چلا جائے؟'' اور میرا جواب ہوتا ہے۔ جی ٹھیک ہے۔ مگر یہ سب لوکل آمد و رفت ہوتی ہے۔ پاکستان کے اندر کے سفر ہوتے ہیں۔ پاکستان کے باہر ہم کبھی نہیں گئے۔ انفرادی طور پر تو علی امریکہ، ترکی اور انڈیا ادبی دوروں پر جا چکے ہیں۔ چھوٹا بیٹا ابتسام بھی حکومتِ پاکستان کی طرف سے ایک یوتھ ڈیلیکیٹ کی حیثیت سے چین کا دورہ کر چکا ہے۔

مگر نہ میں اور نہ ہی میرا بڑا بیٹا افراز پاکستان سے باہر گیا ہے۔ ایک بار دبئی جانے کا پروگرام بنانا چاہا تھا مگر کسی وجہ سے وہ رہ گیا۔ پھر شب و روز گذرتے گئے۔ اور بچے بڑے ہو گئے۔

بڑے بیٹے افراز علی سید کی شادی ہوگئی اور جلد ہی وہ اپنی دلہن کے ہمراہ امریکہ روانہ ہوگیا۔
یہ گذشتہ سال کی بات ہے جب افراز کو امریکہ گئے ہوئے ابھی دو ماہ بھی نہیں ہوئے تھے اور یہ دن بہت عجیب اور خالی خالی گذر رہے تھے کہ علی کو پہلے امریکہ اور اس کے فوراً بعد انڈیا سے اور پھر ڈھا کہ بنگلہ دیش کے ادبی دورے کی دعوت آئی تھی تو انہوں نے محض اس لئے معذرت کر لی تھی کہ بیٹے اور بہو کے جانے کے بعد گھر کی اداسی میں ان کے بیرونِ ملک چلے جانے کی وجہ سے اور اضافہ نہ ہو جائے، اس بات کا گلہ ابھی کچھ دن پہلے اسلام آباد کی شاعرہ فرحین چودھری نے پشاور کے ایک مشاعرہ میں سرِ محفل مجھ سے بھی کیا کہ دیکھیں ''بھابی جی، ناصر علی سید نے پہلے میرے ساتھ انڈیا جانے کا وعدہ کیا اور جب وہاں سے منظوری آ گئی تو یہ پیچھے ہٹ گئے تھے اور پھر اب جب ڈھا کہ جانے کا پروگرام بنا فون پر سب طے ہوگیا تو آخری لمحوں میں ایک بار پھر سے انکار کر دیا ہے۔'' میں نے کہا کہ فرحین جی میں نے تو تب بھی علی سے کہا تھا کہ آپ چلے جائیں اور اب بھی مگر وہ نہیں مانے۔ اب میں اسے کیا تفصیل بتاتی کہ ہم ان دنوں سب عجیب ڈیپریشن کا شکار ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ اکوڑہ خٹک میں تو ماشاللہ ہماری بھری پری فیملی ہے مگر پشاور میں ہماری فیملی صرف چار افراد پر مشتمل ہے میں، علی، افراز اور ابتسام۔ سوچا کرتی تھی کہ جب افراز کی شادی کے بعد بہو بٹیا آئے گی تو ہم پانچ ہو جائیں گے اور میرے گھر میں رونق بھی بڑھ جائے گی اور بیٹی کی کمی بھی پوری ہو جائے گی۔ افراز کے خیر سے بڑے ہو جانے اور تعلیم مکمل ہونے کے بعد تو سوتے جاگتے یہ خواب تنگ کرنے لگا کہ جلد ہی گھر میں بہو بلکہ بیٹی آئے گی۔
بیٹی کی خواہش علی کی اگر زیادہ ہے تو کسی طور میری بھی کم نہیں ہے۔ اکثر شاپنگ مال میں گھومتے ہوئے علی کو بچیوں کے ڈریسز بہت ہانٹ کرتے ''دیکھو نا کتنا خوبصورت ڈریس ہے۔ کیا کلر کمبینیشن ہے، میں چپ ہو جاتی یا ان کی توجہ کسی اور طرف پھیر لیتی۔ مجھے معلوم ہے کہ بچیوں کے ڈریسز واقعی بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتے ہیں مگر ہمارے کس کام کے۔ اور پھر افراز کی دلہن ''کومل'' کی صورت میں ہمیں بیٹی تو ضرور ملی مگر ابھی تو امریکہ میں اس کی ایجوکیشن بھی مکمل

Scanned with CamScanner

نہیں تھی اس لئے وہ آئی اور کچھ دن میرے گھر کی رونق بڑھا کر واپس چلی گئی۔ چند ماہ کے بعد جب اس کی چھٹیاں ہوئی تو وہ دوبارہ آ گئی مگر بچوں کو تو اپنی دنیا آپ بنانی ہوتی ہے۔علی اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے غالباً سعید اختر صاحب کا ہے

چکور خوش ہے کہ بچوں کو آ گیا اُڑنا

اداس بھی ہے کہ رت آگئی بچھڑنے کی

سچی بات ہے کہ میں نہ جانے کب سے علی کی زبانی یہ شعر سن رہی ہوں مگر کبھی غور ہی نہیں کیا لیکن اب اس کی معنی سمجھ میں آنے لگے تھے اور جب جب اکیلے ہوتی، اس شعر کی شدّت میری آنکھوں میں آنسو لانے لگی اور یہ تلخ حقیقت میرے سامنے آجاتی کہ جلد ہی افراز کو بھی کومل کے ساتھ ہی چلے جانا ہے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ یوں ہم گھر میں پانچ افراد بس سال بھر کے لئے اکھٹے رہے اور پھر دونوں بچوں کے امریکہ جانے کے بعد ہم تین رہ گئے۔ افراز کی کمی صرف ہمارے گھر میں یا رشتہ داروں کو محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ جب بھی کسی تقریب میں یا شادی بیاہ کے اکٹھ میں ہم جاتے تو ہر جاننے والا پہلے اس کا پوچھتا اور اب جب اسے امریکہ گئے ہوئے دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اب بھی سب لوگ اس کی خیر خبر پوچھتے، سلام اور دعائیں بھجواتے ہیں۔

در اصل افراز اپنی خوبصورت شخصیت، من موہنی صورت اور اس سے بڑھ کر شگفتہ طبیعت اور چھوٹے بڑے سے محبت سے پیش آنے اور مسکراتے ہوئے بات کرنے کی وجہ سے ہر دل میں اپنی جگہ بنائے ہوئے ہے۔ پھر بچپن سے ہی وہ ٹی وی میں بھی کام کرتا رہا ہے، بلکہ پہلی بار تو دو سال کی عمر میں اس نے کیمرہ کا سامنا کیا تھا۔ اور پھر جب ساڑھے تین سال عمر میں اس نے کوئی ڈھائی منٹ دورانیہ کا ایک ایسا جادوئی سوک سپاٹ کیا جس کی وجہ سے اسے ملک گیر شہرت حاصل ہوگئی۔ یہ ایک انٹی سموکنگ فلر تھا جس میں علی بھی تھا اور جو ہمارے گلشن رحمان والے سرکاری گھر کے ڈرائنگ روم میں شوٹ ہوا تھا۔ اس فلر میں ’’علی کو مطالعہ کرتے اور سگریٹ پیتے دکھایا گیا تھا جسے پاس بیٹھا ساڑھے تین سال کا بیٹا، افراز اپنی ڈرائینگ بک میں کلر کرتے کرتے

Scanned with CamScanner

بڑی دلچسپی اور انہماک سے دیکھتا ہے اور پھر پنسل منہ میں پکڑ کر آہستگی سے ماچس اٹھاتا ہے اور دیا سلائی جلا کر منہ میں پکڑی پنسل تک لاتا ہے اور شعلہ کی تپش سے گھبرا کر جوں ہی سر پیچھے کرتا ہے تو منظر فریز ہو جاتا ہے اور ایک کیپشن اس پر آ جاتا ہے۔ ''بچے بڑوں سے اثر لیتے ہیں'' اس فلر نے تاریخ ساز کامیابی حاصل کی اور پشاور کے علاوہ پاکستان کے سارے ٹی وی سنٹرز سے مسلسل کئی سال تک چلتا رہا اور اب ربع صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود لوگوں کو یاد ہے اور مزے کی بات یہ بھی ہے کہ اب بھی افراز (سنی) کو دیکھ کر بہت سے ملنے والے پہچان جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ ''یہ وہی سگریٹ والا بچہ ہے نا'' اور میں مسکرا کر تصیح کرتی ہوں۔ ''سگریٹ والا نہیں پنسل والا''۔ سو ٹی وی کی وجہ سے بھی لوگ اسے جانتے اور بہت پیار کرتے ہیں بلکہ ایک اور مزے کی بات بتاؤں کہ ڈرامہ سیریل کروبی کے دنوں افراز کی سرخ کوٹ میں ایک تصویر اس وقت پریس میں شائع ہوئی تو کئی لوگوں نے اس کی ڈیمانڈ کی، علی ٹی وی کے فوٹو گرافر سے اس کی ایک کاپی لے آیا۔ مگر پھر اس تصویر کی کوئی چالیس سے بھی زیادہ کاپیاں بنا کر جاننے والوں کو دینا پڑیں جو اکثر لوگوں نے اپنی خواب گاہوں میں لگائیں۔

خیر بات علی کو ملنے والی امریکہ اور پھر انڈیا کے ادبی دورے کی دعوت کی تھی جس کے منتظمین سے میرے اصرار کے باوجود علی نے معذرت کر لی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ان اداس دنوں میں میرا بھی گھر سے نکل جانا مناسب نہیں۔ میں جانتی تھی کہ افراز کے جانے کے بعد علی سخت ڈیپریسڈ ہے اور اب ہر نماز کے بعد عموماً اور صبح کی نماز کے بعد خصوصاً معمول کی نسبت دگنا تگنا وقت جائے نماز پر گذارنے لگا ہے، علی بھی جانتا تھا کہ افراز اور کومل کے جانے کے بعد میں بھی سخت ڈیپریسڈ ہوں، جاب سے آنے کے بعد کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے کوچی بازار اپنی بہن فرحت نسیم (مونا) کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ ابتسام بھی جانتا تھا کہ بھائی کے امریکہ جانے کے بعد ہم سب گھر کی ایک مغموم اور افسردہ فضا میں سانس لے رہے ہیں اس لئے اب اس نے دوستوں کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا تھا۔ مگر جب بھی ہم تینوں اکٹھے ہوتے، تو مجال ہے کہ کوئی بھی کسی سے اس

Scanned with CamScanner

موضوع پر بات کرتا، یا افراز کو یاد کرتا۔ مگر اکیلے میں علی اور شام (ابتسام) کی خود سے کیا کیا بات ہوتی مجھے پتہ نہیں مگر میں اپنی حالت دیکھ کر اندازہ کر سکتی تھی۔ افراز بھی ہم تینوں سے بات کرتے ہوئے ہنس کھیل کر بات کرتا اور کہتا کہ وہ اس نئی دنیا میں بہت خوش ہے مگر کبھی کبھی اپنی خالہ (مونا) سے بات کرتے ہوئے کوئی بات ایسی کر جاتا کہ پھر میں کئی دنوں تک بہت ڈسٹرب رہتی۔ مجھے یاد ہے ایک بار مجھے مونا نے بتایا کہ افراز کہہ رہا تھا ''مونا کبھی جو میں حیات آباد جاتا اور آپ سے بات ہوتی یا آپ مجھے بلاتیں تو میں کہتا، مونو میں بہت دور ہوں، اب سوچتا ہوں کہ اب ہزاروں میل دور آ گیا ہوں تو اسے کیا کہوں'' اس لئے مجھے جب بھی خیال آتا کہ افراز دیارِ غیر میں یہ دن کیسے گذار رہا ہوگا، اکیلا ہوگا تو کیا سوچتا ہوگا، پشاور یاد آتا ہوگا تو کیسے چپ ہو جاتا ہوگا اور اگر گھر یاد آتا ہوگا تو پھر میں بھی چپ ہو جاتی کیونکہ اس سے آگے کچھ بھی سوچتی تو دل کو کچھ ہونے لگتا اور پھر خود کو بہادر بنا کر دل کو تسلی دیتی کہ باہر جانے والے اکثر بچے تو اکیلے رہتے ہوئے مسافری کے دن گذارتے ہیں، تنہائی انہیں تنگ کرتی ہے مگر افراز کے ساتھ تو صرف کومل ہی نہیں کومل کی پوری فیملی ہے وہ پشاور کی فیملی سے اٹھ کر امریکہ میں کومل کی فیملی میں جا بیٹھا ہے۔ جہاں سب اسے اب نہیں بچپن سے ہی پیار کرتے ہیں، اس لئے سب ٹھیک ہوگا انشاء اللہ لیکن پھر بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سال سال بھر کا ایک ایک دن گذرتے نہیں گذرتا تھا۔

یہ دن بہت عجیب تھے۔ ہم چار لوگ ایک دوسرے سے جی بھر کے جھوٹ بول رہے تھے۔ ہم تین پشاور میں اور افراز امریکہ میں سب ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ بہت اچھے دن گذر رہے ہیں۔ افراز حسبِ معمول ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے کہتا بہت خوش ہوں۔ ہم یہاں سے بتاتے کہ بہت اچھا وقت گذر رہا ہے۔ خدانخواستہ کوئی دکھ بھر خبر ہوتی تو ہم کبھی ایک دوسرے سے شیئر نہ کرتے۔ ان ہی دنوں علی کے بھتیجے مدثر کی جواں سال بیوی ''شیری'' جو اپنی خوش طبیعتی کی وجہ سے خاندان میں بہت پسند کی جاتی، خصوصاً ذیشان، افراز اور ابتسام کو تو بہت پیار کرتی تھی، کی طبیعت اچانک خراب ہوئی۔ فون پر بہن سے بات کرتے کرتے گر پڑی اور کوما میں چلی گئی، اسے

Scanned with CamScanner

فوراً ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ دنیا میں بہت تھوڑے دن لے کر آئی تھی۔ سب کو روتا، بلکتا چھوڑ کر اپنے رب کے پاس چلی گئی۔ اب ہم اتنی ہمت کہاں سے لاتے کہ افراز کو یہ سب بتاتے۔ ہم جانتے تھے کہ بلا کا محبتی میرا بیٹا کیسے یہ بری خبر برداشت کر پائے گا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ دکھ سکھ کے موسموں میں اپنوں سے دوری مسافروں پر کیسی قیامتیں ڈھاتی ہیں۔ سو ہم اس سے یہ خبر چھپاتے رہے۔ ایک دن میرے بیٹے ذیشان نے کہا کہ ''مما کتنی عجیب بات ہے۔ کہ شیری ابھی تک افراز کے لئے زندہ ہے'' میں نے کہا نا کہ ہم نہ صرف ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے بہت سی دکھ بھری باتیں بھی چھپاتے رہے۔ یہ حالت صرف اِدھر ہماری نہیں تھی۔ یہی حال اُدھر بھی تھا، ایک بار افراز کی گاڑی کو ایک حادثہ پیش آیا۔ اور اللہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس کو اپنی امان میں رکھے (آمین) یہ ایک بہت خوفناک حادثہ تھا۔ وہ کومل کو اس کی یونیورسٹی سے پک اپ کرنے گیا تھا اور پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی میں بیٹھا کومل کا انتظار کرتے ہوئے اپنے موبائیل پر بزی تھا کہ اچانک گرمی کا احساس ہوا اور جو نظریں اٹھا کر دیکھا تو اس کی گاڑی کے اگلے حصے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سب جانتے ہیں کہ ایسے میں اکثر دروازے لاک ہو جاتے ہیں اور گاڑی سے باہر نکلنا ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔ مگر نہ جانے کونسی نیکی کام آئی کس کی دعا نے اس کو ہمت دی کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی نئی نئی خریدی ہوئی گاڑی امدادی ٹیم کے آنے تک سکریپ بن چکی تھی۔ تاہم مولا رحیم وکریم کے فضل وکرم سے افراز ہر طرح سے محفوظ رہا تھا۔ دیارِ غیر میں اللہ نے اس پر بلکہ ہم سب پر کتنا بڑا احسان کیا اس کے اظہار کے لئے تو دنیا کے سارے لفظ بھی کم ہیں۔ مگر یہ بات بھی مجھے امریکہ پہنچ کر معلوم ہوئی۔ کم وبیش سال ڈیڑھ اس نے مجھ سے یہ بات چھپائے رکھی۔

خیر افراز اور کومل امریکہ چلے گئے اور ہم سب گھر والے ان کے حوالے سے اپنے اپنے جذبات ایک دوسرے سے تو کیا خود اپنے ساتھ بھی نہیں شیئر کر رہے تھے کہ کہیں ہماری چوری نہ پکڑی جائے۔ شاید پروین شاکر کا شعر ہے کہ

کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے، کوئی

شب و روز ایک دوسرے کا تعاقب کرتے رہے ۔اور پھر گذشتہ سال کی پینڈنگ امریکہ کی دعوت اب کے سال جب دوبارہ آئی تو علی کی ایک بار پھر گومگو کی کیفیت اور خاموش پریشانی کو حسام حر بھائی نے پڑھ لیا اور پھر حسام حر ہی کے کہنے پر علی نے عتیق احمد صدیقی سے درخواست کی کہ اگر ممکن ہو تو دعوتی خط میں مسٹر اینڈ مسز ناصر علی سید لکھا جائے۔ دوستوں پر محبتیں نچھاور کرنے کے بہانے ڈھونڈھنے والے بلا کے محبتی عتیق صدیقی نے فوراً دوسرا خط بھیج دیا۔ جس میں ہم دونوں کو دعوت دی گئی تھی ۔ مگر اس وقت تک یہ بات میرے علم میں نہ تھی ۔ جب دعوتی خط دوبارہ آیا تب مجھے معلوم ہوا تو از حد حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اگر واقعی علی کے ساتھ ساتھ کسی طور میرا بھی ویزہ لگ جاتا ہے تو میں اپنے جگر کے ٹکڑے افراز کو 14 ماہ کے بعد دیکھ سکوں گی ۔ یوں تو Skype پر دن میں دوبار افراز آن لائن ہوتا ہے۔ ایک بار جب وہ صبح جاب پر جاتا ہے اس وقت پشاور میں رات ہوتی ہے اور دوبارہ جب رات کو وہ سونے لگتا ہے تو آن لائن ہو جاتا ہے یہاں پشاور میں تب صبح ہوتی ہے ۔ یوں ایک دن میں دوبار اس سے ملاقات ہو جاتی ہے بات بھی ہو جاتی ہے مگر کیا کروں میں اسے گلے تو نہیں لگا سکتی نا، اسے پیار تو نہیں کر سکتی نا۔ پھر یہ تمنا بھی تھی کہ اپنی آنکھوں سے جا کر دیکھوں کہ میرا بیٹا خوش خوشحال ہے اس کا دل لگ گیا ہے کہ نہیں۔

میں نے کہا نا کہ بچوں کو تو اپنی دنیا خود بنانی ہوتی ہے، پھر بھی ہر ماں باپ کی اندر سے ایک خواہش ہوتی ہے کہ انہیں اپنی آنکھوں سے کامیاب ہوتا دیکھ لیں ۔ سو علی کے ساتھ میں نے بھی آن لائن اپلا ئی کر دیا۔ پانچ دن بعد انٹرویو کی کال آگئی میرا چھوٹا بیٹا شام (ابتسام) مجھے اور علی کو اسلام آباد لے گیا۔ ایمبیسی پہنچے ۔ ابتدائی کاروائی کے دوران دل دھک دھک کرتا رہا کیا خبر ویزہ لگتا ہے یا نہیں علی کو تو دعوت ہے سپانسرڈ ہے اس کا ویزہ تو امید ہے لگ جائے گا۔ مگر میرا لگے گا یا نہیں۔ دل ہی دل میں سوچا کہ ویزہ آفیسر کی ہر بات کا ایک ہی جواب دوں گی، مجھے اپنے افراز

کے پاس جانا ہے بس اتنی دیر کا ویزہ چاہئے کہ اس کو خوب دیکھ لوں گلے لگا لوں جی بھر کے پیار کر لوں تو پھر میں واپس آ جاؤں گی۔ بس کوئی مجھے اتنی ہی دیر کا ویزہ لگا دے۔ یہی سوچتے سوچتے سارے مراحل طے کرنے کے بعد ہم دونوں اکٹھے ہی کھڑکی کے پاس انٹرویو کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کھڑکی کے اس طرف کا نوجوان ایک امریکی تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ افسر کی طرح تھا یا مجھے وہ افراز کی طرح لگا میں اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ علی سے بات کر رہا تھا پھر اس نے علی کی کتاب ''زندگی'' دیکھی اور کہا کہ I wish کہ میں اسے پڑھ سکتا۔ پھر پاسپورٹ پر ایک نظر ڈال کر پاسپورٹ اپنے پاس رکھ لئے وہ علی سے ہی سوال جواب کر رہا تھا لیکن مجال ہے کہ اس نے ایک بار بھی یہ پوچھا ہو کہ یہ خاتون جو آپ کے ساتھ کھڑی ہے کون ہے؟ اور آپ تو ادبی دورے کے سلسلے میں جا رہے ہو مگر یہ خاتون کس کھاتے میں جا رہی ہے۔ وہ بے چارہ کیا جانے کہ میں دل میں یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ کوئی مجھ سے پوچھے تو یہ بتاؤں کہ میں نے اپنے جانی کے پاس جانا ہے مگر اس نے علی ہی سے سوال جواب کئے۔ اور کاغذات وغیرہ چیک کرنے کے بعد یہ کہہ دیا کہ پانچ چھ دن کے بعد آپ کو کوریئر سے آپ کے پاسپورٹ مل جائیں گے۔ وہاں سے ہم رخصت ہوئے تو یکدم رک کر علی نے مجھے کہا کہ اس نے تو تم سے کچھ پوچھا ہی نہیں کوئی سوال ہی نہیں کیا۔ کیا پتہ آپ کا کیا ہو گا۔ میں نے کہا چلو اللہ خیر کرے گا باہر نکلے تو سب لوگوں کے ہاتھوں میں Passport تھے تو ہم نے باہر کاؤنٹر پر ایک لڑکے (جو بعد میں علی کے شاعر دوست علی احمد قمر کا بیٹا نکلا) سے Passport کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ جن لوگوں کا ویزہ لگنا ہوتا ہے ان کا پاسپورٹ رکھ لیتے ہیں۔ میری نظریں بے ساختہ دلوں کا حال جاننے والے اور سکون دینے اور عاجزوں کو نوازنے والے رب کے شکریہ کے لئے آسمان کی طرف اٹھ گئیں، اور دل میں دعائیں کرتے ہوئے ہم اسلام آباد سے پشاور آ گئے۔

اب ایک ایک لمحہ صدیوں کی طرح کٹ رہا تھا افراز سے بات ہوئی اس نے بھی تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو گا، زیادہ سکون عتیق احمد صدیقی بھائی سے بات کر کے ہوتا ہے، میں نے تو افراز

Scanned with CamScanner

کے امریکہ جانے سے پہلے بھی ان سے کہا تھا۔آپ لاکھ داؤد بھائی کی فیملی سے فاصلہ پر ہوں مگر آپ امریکہ میں ہیں مجھے اس بات کی بڑی ڈھارس ہے۔ان سے بات کر کے ہمیشہ مجھے بھی اور علی کو بھی بہت تسلی ہوتی ہے،ان دنوں ہم نے انہیں بار بار فون کر کے خوب تنگ کیا،ہماری مجبوری تھی کیا کرتے بغیران سے بات کئے ڈیپریشن کم نہیں ہوتی تھی۔پانچ چھ دن کے بعد کوریئر سے فون آیا کہ آپ کے پاسپورٹ آ گئے ہیں۔ابتسام کو بھیجئے کہ وہ آ کر لے جائے۔جب ابتسام وہاں گیا اوراس نے پاسپورٹ دیکھے تو وہ وہاں پر اللہ کے کرم سے ہمارا Multiple ویزہ لگا ہوا تھا۔وہیں پر علی کے دوست کلیم نے ابتسام کو کہا کہ آپ کیوں ساتھ نہیں جاتے تو ابتسام نے کہا کہ نہیں میرا کام تو نہیں ہے پاپا اور مما جا رہے ہیں۔کلیم نے کہا یار پاپا بھی جا رہے ہیں مما بھی جا رہی ہے بھائی پہلے ہی سے وہاں پر ہے تو تم یہاں کیا کرو گے۔میری مانو تو تم بھی اپلائی کر دو۔ابتسام نے مجھے فون کیا اور کہا کہ کوریئر کے کلیم بھائی کہتے ہیں کہ تم بھی اپلائی کرو میں نے اسے فون پر کہا کہ چلو کوئی بات نہیں تم بھی اپلائی کر دو حالانکہ مجھے پتہ تھا کہ اس عمر کے بچوں کو ویزہ نہیں دیتے۔ پھر بھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے اس سے کہا چلو اپلائی کر دو مگر وجہ کیا لکھو گے،کہنے لگا کہ کلیم بھائی کہتا ہے کہ لکھ دینا کہ ماں باپ دونوں عمر رسیدہ ہیں ان کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔میں نے کہا ٹھیک تو ہے،باقی اللہ مالک ہے۔خیر اس نے بھی اپلائی کر دیا خدا کا کرنا دیکھئے کہ چار پانچ دن کے بعد اسے بھی انٹرویو کی کال آ گئی۔

اور ہم ایک بار پھر خراماں خراماں اسلام آباد روانہ ہو گئے اس نے انٹرویو دیا اس کی قسمت بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔انٹرویو کامیاب رہا،پاسپورٹ انہوں نے رکھ لئے اور پانچ چھے دن کے بعد جب پاسپورٹ ملے تو قسمت دیکھئے کہ اس کا بھی Multiple ویزہ لگا ہوا تھا۔سو ہم نے فوراً امریکہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔یوں بھی وہ جو دل میں ایک پکڑ دھکڑ شام کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے ہو رہی تھی وہ بھی مولا کریم کے فضل و کرم سے ختم ہو گئی تھی۔

اب رمضان شروع ہو چکا تھا اور پہلے ہمارا پروگرام عید کے فوراً بعد جانے کا تھا لیکن

Scanned with CamScanner

افراز نے اب روزانہ اصرار شروع کر دیا کہ پہلے تو آپ ابتسام کی وجہ سے عید کے بعد آ رہے تھے۔ اب جبکہ اس کا بھی ویزہ لگ گیا ہے تو آپ رمضان میں ہی آ جائیں تا کہ آپ لوگ میرے ساتھ یہاں عید منالیں۔ آخر کار ہمیں اس کی بات ماننا پڑی اور ہم رمضان میں ہی امریکہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ٹکٹ وغیرہ کے مرحلے ذرا مشکل تھے کیونکہ آپ جانے سے جتنا پہلے ٹکٹ خرید لیں اتنا سستا مل جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب افراز کا ویزہ لگا تھا تو کومل کے واپس جانے میں تین چار دن باقی تھے اور دونوں بچوں کی خواہش تھی کہ اکٹھے جائیں تو افراز کو ایک طرف کا ٹکٹ دو طرفہ ٹکٹ کی قیمت پر ملا تھا مگر افراز کے دوست عمر کی وجہ سے ہمیں امارات کا نسبتاً ایک اچھا Package مل گیا تھا۔ پیسے تو باقی ایئر لائینز سے ذرا زیادہ تھے مگر دیگر سہولیات اور مراعات خوب تھیں۔ افراز کی خواہش پر افراز کی طرح ہمیں بھی سارے کام جلدی جلدی نبٹانا پڑے۔ گاڑی کا مسئلہ تھا کہ تین ماہ تک کیسے ان اٹینڈ ڈ کھڑی رہتی۔ مونا کے آفس میں دانش سے ریکوئسٹ کی۔ مونا تو ہمارے گھر شفٹ ہو جاتی مگر ساتھ کون رہے گا جو بہزاد (بوبی) کے حامی بھرنے کی وجہ سے حل ہو گیا۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ہم تیار ہو گئے۔ اور ٹکٹ کے مطابق ہمیں رمضان کی ایک مبارک صبح پشاور ایئر پورٹ سے دبئی کے لئے روانہ ہونا تھا۔

علی جب پہلی بار امریکہ گئے تھے تو انہیں جہاز میں بیٹھنے سے بہت ڈر لگتا تھا ان کے اکثر خطوط میں یہی ذکر ہوتا تھا کہ جہاز میں بیٹھ جاؤ تو زمین سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے اب وہی ڈر میرے بھی دل میں بیٹھا ہوا تھا لیکن میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ مجھے بھی جہاز سے ڈر لگتا ہے۔ پھر ہم وقت پر ایئر پورٹ پہنچ گئے اکوڑہ خٹک سے اور پشاور کی فیملیز اور اپنے دوستوں، پیاروں کو خدا حافظ کہنے کے بعد ہم جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ یہ میرا پہلا ہوائی سفر تھا گویا آج میں زندگی میں پہلی دفعہ جہاز میں بیٹھ رہی تھی۔ بچپن میں ایک دفعہ اللہ بخشے میرے والد صاحب کو، جنہوں نے مجھے اندر سے جہاز دکھا دیا تھا لیکن یہ جہاز اُس جہاز سے بہت بڑا تھا ہم نے سیٹ نمبر دیکھے اور اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ خوشی تو بہت تھی مجھے کہ میں بھی جہاز میں بیٹھ گئی ہوں۔ جبکہ علی تو خیر بہت

Scanned with CamScanner

جہازوں میں گھوما ہے مگر ابتسام بھی حکومتِ پاکستان کی طرف سے ایک یوتھ ڈیلیگیشن کے ساتھ چین جا چکا تھا اس لئے ہم تینوں میں سے یہ میرے لئے پہلے تجربہ تھا۔ پھر بھی یہ احساس کافی تھا کہ ہم جہاز میں اکٹھے بیٹھے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ڈر بھی بہت لگ رہا تھا کہ پتہ نہیں کیا ہوگا۔ اور علی کو تو واقعی بہت ڈر لگتا ہے مگر نہ ہی علی نے اپنا ڈر بتایا اور نہ ہی میں نے علی کو دھک دھک کرنے والے اپنے دل کی حالت بتائی۔۔ آخر کار کچھ دیر بعد Announcement شروع ہو گئی، دعائیہ کلمات ادا کئے گئے اور جہاز نے ٹیک آف کرنا شروع کر دیا۔ دل ہی دل میں جتنی بھی آیات یاد تھیں ان کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر ٹیکسی کرنے کے بعد آخر کار جہاز کی سپیڈ تیز ہوئی اور پھر اس کے پاؤں زمین سے اٹھ گئے۔ اب ہم زمین سے ناتا توڑ کر آسمان کی طرف اڑنے لگے تو نیچے زمین پر گھر، راستے، گاڑیاں ریت کے گھروندوں کی طرح لگنے لگے۔ دل میں ڈر لئے ہم دونوں ان کھڑکیوں سے باہر سیر کر رہے تھے ابتسام تو Enjoy کر رہا تھا کیمرہ آن کئے ہوئے تھا اور کھڑکیوں سے جو مناظر ہمیں نظر آ رہے تھے ان کی تصویر کشی کر رہا تھا۔ سفر میں راستے کبھی مہربان نہیں ہوتے تو ہم سفر ان کو مہربان بنا رہے تھے۔ تیس پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر جہاز پرواز کر رہا تھا۔ امارات کی تمام ایئر ہوسٹس اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھیں۔ مجھے علی کا وہ خط یاد آیا جو انہوں نے 1999 میں پہلی بار امریکہ پہنچنے کے بعد لکھا تھا۔ اب مجھے ڈر لگ رہا تھا مگر اپنے شہزادے سے ملنے کی خوشی اس پر غالب آتی جا رہی تھی۔

آخر کار ڈھائی گھنٹے کی پرواز کے بعد اعلان ہوا کہ ہم دبئی ایئر پورٹ پر اترنے والے ہیں۔ اس ایئر پورٹ کی خوبصورتی کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا اس لئے اسے دیکھنے کا ایک اشتیاق تھا اور اب جو اسے دیکھا تو سنی اور پڑھی ہوئی ساری باتیں بہت کم لگیں یوں بھی پاکستان کے باہر کی دنیا دیکھنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا سو اس دبئی ایئر پورٹ کو دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔۔ ایئر پورٹ پر اترنے کے بعد سیکیورٹی مرحلے سے گزرنا بھی ایک مشکل کام نظر آتا ہے مگر ایسی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ایئر پورٹ پر چند لمحوں میں ہی ہمارے پاسپورٹ پر دبئی کا ویزہ لگ

Scanned with CamScanner

گیااور ہم دبئی ایئرپورٹ سے باہر آ گئے جہاں Shuttle تیار تھی جو کہ مسافروں کو لے کر اس ہوٹل کی طرف جارہی تھی جس میں ہمیں ''امارات ایئرلائینز'' ہی کی طرف سے لنچ سٹے اور ڈنر کرنا تھا۔ ہمارا سٹے کوئی 15 گھنٹے کا تھا۔ ہم راستے میں سیر کرتے ہوئے ہوٹل گرانڈ پہنچے کیا خوبصورت ہوٹل تھا، امارات سے مختلف ممالک کی طرف اڑان بھرنے والے سارے مسافر اسی ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں اس لئے لابی، لاؤنج اور خاص طور پر ریسپشن پر ہمہ وقت ایک بھیڑ ایک ہنگامہ رہتا ہے۔ ریسپشن سے ہی آپ کو کمرے کی چابی اور لنچ ڈنر کے ٹوکن ملتے ہیں، ہم تین لوگوں کو بھی دو کمرے دیئے گئے تھے، کمروں میں پہنچے تو انتہائی عمدہ، فرنشڈ اور عالیشان کمرے تھے کھڑکیوں میں سے باہر کا نظارہ تو واہ کیا کہنے۔ یہاں ہم نے تھوڑا سا آرام کیا۔ ۳ گھنٹے آرام کرنے کے بعد میں نے علی سے پوچھا آپ کو جہاز سے ڈر نہیں لگا؟ تو انہوں نے کہا کہ آج آپ لوگ ساتھ تھے اس لئے ڈر نہیں لگا۔ تو اس وقت مجھے حسن عباسی کا یہ شعر یاد آیا

تمہارے ساتھ گزاری ہے زندگی میں نے
تمہارے ساتھ سفر کا پتہ نہیں چلتا

جب ہم دبئی ایئرپورٹ سے شٹل کے ذریعے ہوٹل پہنچے کیوں کہ ہمارا دبئی میں تقریباً 11 گھنٹے کا Stay تھا۔ ہوٹل پہنچے Lunch کیا اُس کے بعد کمروں میں آ کے کچھ Rest کیا اُس کے بعد ہم نے شارجہ میں مقیم میری پھوپھی زاد بہن کی بیٹی عاصمہ سے رابطہ کیا وہ یہاں پر اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے اس سے فون پر رابطہ کیا تو اُس نے کہا کہ میں آپ لوگوں سے ملنے کیلئے آتی ہوں۔ ہم کمروں سے لاؤنج میں آ گئے اور عاصمہ کا انتظار کرنے لگے۔ علی نے پوچھا کہ عاصمہ کے خیر سے کتنے بچے ہیں۔ بچے؟ میں نے کہا تو اُس نے کہا ہاں بچوں کا پوچھ رہا ہوں تم کہاں پہنچی ہوئی ہو میں نے مسکرا کر کہا میں۔۔۔۔ میں تو اُس عاصمہ سے بات کر رہی تھی جس کو ابھی بولنا بھی نہیں آتا تھا جسے باجی رسیلہ ثمی کہتی تھی اور جسے ہمارے گھر چھوڑ جایا کرتی تھی۔۔۔۔۔

Scanned with CamScanner

عاصمہ میری پھوپھی زاد بہن کی بیٹی تھی اس لحاظ سے تو وہ ننھی منھی گول مٹول سی بہت ہی پیاری خوبصورت عاصمہ میری بھانجی تھی۔ لیکن میرے ابو نے اُسے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا سو اس ناتے وہ بہن بھی تھی۔ بہن اور وہ بھی چھوٹی بہن دل کے کتنے قریب ہوتی ہے بتانے کی ضرورت نہیں۔ پھر جسے میں نے اور میری بہن مونا نے اور ہماری امی یعنی ماں جی نے اُسے دودھوں نہایا اور پوتوں کھلایا۔ روز صبح سویرے ہم اُسے اپنے گھر لے آتے اور رات گئے تک ہمارے پاس رہتی اُس کے ساتھ ماں جی، مونا اور میں نے کتنی محنت کی کیسے اُسے لوریاں سنائی، مسکرانا سکھایا، بولنے پر آمادہ کیا اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی تگ ودو کی کیا بتاؤں اور مجھے وہ دن بھی یاد ہے کہ وہ جب اپنے پیروں چلی تو وہ ہم سب کے لئے کتنی بڑی خوشی کا دن تھا۔ بچوں کو پالنا بھی کتنا خوبصورت اور عجیب تجربہ ہوتا ہے بچے بڑے ہورہے ہوتے ہیں اور اُن کو جنم دینے والے پالنے والے کمزور ہو کر بھی اپنے آپ تندرست اور توانا محسوس کررہے ہوتے ہیں ایک عجب سا فخریہ احساس رگ وپے میں دوڑنے لگتا ہے کہ ان بچوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ہم نے پہلی بار اُنہیں یہ دنیا دکھائی تھی اور زندہ رہنے کا ہنر سکھلایا۔

ان دنوں مجھے یاد ہے کہ مجھے اگر کبھی گھر سے باہر جانا ہوتا تو ایک عجیب سی بے چینی اور بے کیفی چھا جاتی اور فوراً دوڑ کر گھر واپس لوٹ آتی جہاں جھولے میں لیٹی یا ماں جی کی گود میں بیٹھی کہانیاں اور لوریاں سنتی ہوئی عاصمہ کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل جاتی اب سوچتی ہوں کہ وقت کتنا جلدی گزر جاتا ہے پتہ ہی نہیں چلا اور گل گل کہتی میرے پیچھے بھاگتی عاصمہ بڑی ہوگئی اور پھر جو زمانے کا دستور ہے ہمارے گھروں میں بھی پتھر آنے لگے بیری جو گھنی ہوگئی تھی اور پھر وقت کو جیسے پر لگ گئے اور وہ دن آیا جب ہم اُس کی رخصتی کے گیت گا رہے تھے۔ چاروں طرف چھل پہل اور سب کے ہونٹوں پر قہقہے اور مسکراہٹیں تھی مجھے لگتا تھا کہ اندر ہی اندر کوئی دل کو مٹھی میں پکڑے دبا رہا تھا اور شاید یہ وہی سوال تھا کہ کیا واقعی چھوٹی سی عاصمہ اب دلہن بن رہی ہے اور یہ اب ہمیں چھوڑ کر پیا کا گھر بسانے چلی گئی عجیب کھٹا میٹھا احساس تھا مگر یہ ہوتا چلا آیا ہے سو

Scanned with CamScanner

ہوا اور عاصمی بھی ہم سب کو اداس چھوڑ کر "غازی" پیا کے گھر چلی گئی بچوں کو کبھی نہ کبھی تو اپنی دنیا بنانی پڑتی ہے بس یہ بات ڈھارس بندھاتی رہی مگر جب یہ سنا کہ وہ اپنے پیا کے سنگ پاکستان کو چھوڑ کر دبئی شفٹ ہو رہی ہے تو سچی دل کی دھڑکنیں بہت بے ترتیب ہوئی تھیں۔ اس اداسی میں ایک خوشی اس کی کامیابی کی خوشی بھی تھی سرشاری بھی تھی اور اطمینان بھی اس لئے اُسے یہ بھی نہ کہہ سکے کہ

روٹھا رہے وہ مجھ سے یہ منظور ہے لیکن
لوگو اُسے کہہ دو کہ میرا شہر نہ چھوڑے۔

اور آج اس وقت میں اُسی کے شہر کے ہوٹل میں بیٹھی اُس عاصمہ کے انتظار میں تھی جس کے اب اپنے بچے سکول going ہو چکے تھے عاصمہ کے ساتھ ہی مجھے شدت سے ماں جی بھی یاد آئی اور خیال آیا کہ اگر آج مونا ساتھ ہوتی تو ہم ایک دوسرے کے گلے لگ کر دل ہلکا کر لیتے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ علی کو میں اتنی ہی تفصیل کے ساتھ اس بات کا جواب دوں کہ میں کہاں کھوئی ہوئی تھی اس بات کے ختم ہوتے ہی مجھے دروازے سے برقعے میں لپٹی ہوئی عاصمہ اپنے شوہر غازی اور تین بچوں کے ساتھ آتی دکھائی دی جی ہاں اپنی روایات کو اوڑھے اور برقعہ میں لپٹی ہوئی اس عاصمہ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی اس کا مطلب ہے کہ دیارِ غیر میں بھی ہمارے پڑھائے اور سکھائے ہوئے اُسے اپنے بچپن اور جوانی کے سارے سبق اچھی طرح یاد تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ میری طرف بھاگی اور گل کہہ کر وہ مجھ سے لپٹ گئی تھی اور اتنی دیر لپٹی رہی جیسے وہ الگ ہونا ہی بھول گئی ہو میں نے اُسے پیار کیا اس کے بچوں کو پیار کیا سدا کے ہنستے مسکراتے اس کے شوہر غازی سے ملاقات کی علی اور شام اُن سے ملے اور وہیں لابی میں بیٹھ کر ایک ہی سانس میں نجانے اُس نے کتنے سوال پوچھ لیے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کروں یا اس کے سوالوں کا جواب دوں۔ وہ تو بھلا ہو غازی کا کہ جب علی نے چائے کا پوچھا تو اُس نے کہا نہیں بلکہ یوں کرتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو آپ لوگوں کے کمرے میں چھوڑ دیتے

ہیں میں اور عاصمہ آپ کو ''دبئی بائی نائٹ'' کی سیر کراتے ہیں ایسا ہی ہوا اور بچوں کو چھوڑ کر ہم ان کی گاڑی میں دبئی کے بازاروں کی طرف نکل گئے اور وہ جو ٹی وی کے چینلز کے ڈراموں میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے ان راستوں پر سے غازی لے جا رہا تھا۔ علی اور شام تو سیر کر رہے تھے مگر میں کبھی گاڑی کے باہر دیکھتی اور کبھی گاڑی کے اندر عاصمہ کو دیکھتی جو بے تحاشا خوش تھی اور ہماری نہ ختم ہونے والی باتوں کا سلسلہ رک نہیں رہا تھا جب ہم ریفرشمنٹ کے لئے ایک جگہ پر رُکے تو ہمیں غازی نے یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ یاد رکھیں کہ ہم اس وقت دبئی میں نہیں ہیں۔۔۔تو؟ میرے اور علی اور شام کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ عاصمہ نے مسکرا کر کہا ہم اس وقت شارجہ میں ہیں۔اوہ زبردست۔ہم کافی دیر تک انجوائے کرتے رہے رات گئے واپسی ہوئی، بھانجی کو خدا حافظ کہا اس نے وعدہ لیا کہ واپسی پر میرے پاس دبئی میں رکیں گی۔ یوں ہی ہنستے کھیلتے ہم ہوٹل واپس آئے کہ اب جانے کے لئے ایک گھنٹہ باقی تھا۔اس کے بعد تیاری کی کیونکہ رات چار بجے ہمارے فلائیٹ تھی۔ اب ہم تیار تھے کہ ہمیں بتایا گیا کہ ہمیں ایئر پورٹ لے جانے کے لئے Shuttle آ گئی ہے سو ہم دوبارہ شٹل میں بیٹھ کر دبئی کو خدا حافظ کہہ کر دبئی ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ رات کے وقت دبئی ایئر پورٹ عجیب حیران کن نظارہ پیش کر رہا تھا۔

چیک ان کے بعد امارات کی ایک اور International Flight میں ہم دبئی سے واشنگٹن کے لئے روانہ ہو گئے۔ پشاور سے دبئی تک ہمیں لانے والا جہاز مجھے بہت بڑا لگا تھا مگر اب جس بوئینگ میں ہم داخل ہوئے اِس کے مقابلے میں اب وہ جہاز ہمیں کھلونا لگنے لگا۔ اب 16 گھنٹے کی نان سٹاپ اڑان تھی۔16 گھنٹے بہت ہوتے ہیں جب آپ کو پہنچنے کی جلدی بھی ہو اور کرنے کو کوئی کام بھی نہ ہو کبھی جہاز کے اندر سکرین پر فلمیں دیکھنا اور کبھی شٹر ہٹا کر کھڑکی سے باہر دیکھنا جہاں اوپر بھی بادل اور نیچے بھی بادلوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے میں مجھے ایک ایک کر کے علی کے وہ خط یاد آنے لگے جو انہوں نے 1999 مجھے امریکہ سے لکھے تھے۔ جنہیں میں کئی بار پڑھ چکی ہوں۔ جو مجھے یاد ہیں جنہیں میں کیا پڑھ چکی ہوں، میرے سارے رشتہ دار

Scanned with CamScanner

اور خصوصاً میری آفس کولیگز طاہرہ یاسمین اور عالیہ سمیت بہت سے دوسرے قریبی جاننے والے بھی انہیں پڑھ اور سن چکے تھے اور ان دنوں ہر کوئی ہر روز پوچھتا کہ ''ہاں جی کوئی نیا محبت نامہ ملا؟'' میں کہتی ملے گا تو ضرور شیئر کروں گی۔ بعد میں دکھ سکھ کے سارے موسموں میں دل کے بہت قریب رہنے والے حسام حر نے اپنے ہندکو کے مقبول ماہنامہ ''پرچول، انٹرنیشنل، پشاور'' میں ان خطوں کا ترجمہ شائع کیا، تو ہندکو فلیور نے اور لطف دیا تھا۔ اور ساتھ ہی یہاں سے لکھے گئے علی کے نام بچوں کے کچھ خط بھی شامل کر دیئے جنہیں از حد پسند کیا گیا، میرا خیال ہے آپ سے بھی شیئر کر لیتی ہوں، تھوڑا ذائقہ بدل جائے گا۔ حالانکہ یہ بڑا رسک ہے کہ بعد میں میری سیدھی سادی اور پھیکی سی تحریر آپ پڑھ پائیں گے یا نہیں۔ چلیئے اللہ مالک ہے۔ ان سے راستہ تو آسانی سے کٹ جائے گا۔

☆..................☆..................☆

تیرے نام

(امریکہ سے رفعت علی سید کے نام ناصر علی سید کے خطوط)

نیویارک

2 ستمبر 99 رفعت جی!

ڈھیروں پیار! خدا کرے یہ تحریر تمہیں اور سب کو خوش وخرم اور تندرست وتوانا رکھے۔ (آمین)۔ یارا، اچھا ہوا عین وقت پر تم نے مجھے منع کر دیا ورنہ ان آنکھوں کے بند ٹوٹنے ہی والے تھے۔

؂ عجیب حال تھا جب اُس سے ہو رہے تھے الگ

لگتا ہے فراز نے یہ مصرع ایسے ہی حالات کے لئے کہا ہے۔ اتنے بہت سے پیاروں سے الگ ہونے کے لئے بہت بڑا جگرا چاہئے اور تم سے بہتر کوئی جانتا ہے کہ میرا دل کتنا ہے۔ چلیئے تہارے منع کرنے سے ''عزت سادات'' بچ گئی، اور سارے آنسو دل کو واپس کر دیئے۔ البتہ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے وقت قدم سو سو من کے محسوس ہو رہے تھے۔ جہاز میں پہنچنے کے بعد سٹیورٹ کی مدد سے سیٹ تک پہنچا اور کھڑکی سے ایئر پورٹ کے در ودیوار کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا۔ آپ لوگ کتنی دیر تک رہیں گے۔ کیسے جائیں گے اور کیا وہاں سے آپ کو پلین نظر بھی آ رہا ہے یا نہیں۔ ہوائی سفر سے مجھے بلا کا ڈر لگتا ہے۔ زمین سے رشتہ جو کٹ جاتا ہے مزید یہ ہوا کہ جہاز کی سکرین روشن ہوگئی اور ایک ہوسٹس نظر آئی جو کہ خوش آمدید کے بعد کہنے لگی کہ حفاظتی بند باندھ لیجئے۔ سیٹ کو آگے کی پوزیشن پر لے آیئے۔ آپ کی سیٹ کے ساتھ حفاظتی امداد کے طریقوں پر مبنی کارڈز پڑے ہیں انہیں دیکھ لیجئے۔ حادثے کے وقت لائف بیلٹ باندھ لیجئے۔ سفر ناہموار بھی ہوسکتا ہے وغیرہ وغیرہ گویا جی بھر کے وہ ہوسٹس ڈراتی رہی۔ پھر وہ غائب ہوئی اور ایک بارعب

Scanned with CamScanner

آواز جہاز میں گونجی۔ خواتین وحضرات حضور اکرم صلعم کی ایک مسنون قرآنی دعا ''سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنالہٗ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔ (اللہ تعالیٰ پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے قبضہ میں دے دیا ہے اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلا شبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔)..........سفر کے آغاز میں ہمارے ساتھ دہرائیے۔ دعا کے اختتام پر جہاز نے حرکت کی۔ رن وے پر پہلے آہستہ اور پھر تیزی سے دوڑنے لگا اور پھر ٹیک آف کے لئے جونہی زمین کو چھوڑا تو میں نے پھر کھڑکی کے باہر جھانکا۔ تیزی سے دور ہوتی ہوئی زمین کو دیکھ دل ایک بار پھر بھر آیا۔ جسے ہلکی ہلکی موسیقی کی مدھر تانیں بھی کم نہ کرسکی جب جہاز اپنی مطلوبہ بلندی پر پہنچا تو کپتان نے مسافروں کو خوش آمدید کہا اور بتایا کہ ہم انشاء اللہ 35 ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے ایک گھنٹہ اور پچیس منٹ کے بعد کراچی پہنچ جائیں گے اُمید ہے آپ کا سفر خوشگوار گذرے گا۔ اس کے بعد جہاز سے باہر دیکھنا بے کار تھا کہ باہر اندھیرے کی حکمرانی تھی اس لئے کھڑکی کے شٹر گرا دیئے اور جہاز کے اندر توجہ مرکوز کو دی اب حفاظتی بند باندھنے والی لائٹس آف ہوچکی تھیں اور سموکنگ ایرِیا میں لوگوں نے سگریٹ سلگا لئے تھے۔ ہوسٹس مسکراتے ہوئے ہر مسافر سے ''اینی تھنگ یو وانٹ' پوچھ رہی تھی۔ میرا خوف رفتہ رفتہ کم ہو رہا تھا۔ پرواز ہموار تھی لیکن کبھی کبھی جہاز یوں لرزنے لگتا جیسے ناہموار سڑک پر گاڑی کا بدن چھلکنے لگتا ہے۔ بس اتنی دیر لوگوں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے مگر بیشتر لوگوں کے چہروں پر اطمینان اور ہوسٹسوں کی بے فکری پرسکون کر دیتی ہے۔ اب سکرین پر ایک انگریزی فلم شروع ہوچکی ہے اور جہاز کے دونوں سیٹوں کی جانب سے ہوسٹس ٹرالیاں لے کر مسافروں کے پاس آتی ہیں۔ گویا اب کھانا سرو کیا جائے گا۔ مزیدار پاکستانی کھانا چکن، ویجی ٹیبل، بٹر، نان، سلاد، یوگرٹ، جیلی، کسٹرڈ، اور کولڈ ڈرنکس کو دیکھ کر خیال آیا کہ یہ سب ایک آدمی کے لئے بہت زیادہ ہے لیکن خود کو مصروف کرنے کے لئے جو شروع کیا تو خیر..........کچھ دیر بعد چائے سرو ہوئی اور پھر جہاز کی لائٹس آف کر دی گئیں صرف پڑھنے والے مسافروں نے اپنی سیٹ کے اوپر والی لائٹس جلا رکھی ہے تھیں۔ فلم

Scanned with CamScanner

مزے کی تھی مگر دل دی بہار اے کہ باغ دی............وہ ڈیڑھ گھنٹہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا بالآخر کپتان کی آواز سنائی دی کہ اب ہم کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُترنے والے ہیں۔ حفاظتی بند باندھنے کی لائٹس اون ہوگئیں۔ فلم روک کر ایک بار پھر ہوسٹس مسکراتی ہوئی کہنی لگی کہ حفاظتی بند جہاز کے لینڈ کرنے کے بعد جہاز کے بالکل رُک جانے تک مت کھولیئے گا۔ کھڑکی کے شٹر ہٹا دیئے۔ نیچے بہت نیچے کراچی شہر کی بتیاں جل بجھ جل بجھ نظر آنے لگیں اور پھر ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ جہاز کے پہیوں نے رن وے کو ٹچ کیا اور دوڑنا شروع کر دیا تو میں نے ایک لمبا سانس لیا۔ کراچی ایئرپورٹ پر پہنچنے کے بعد سامان کا انتظار اور سامان میں سے اپنا سامان تلاش کرنا میرے لئے اس واسطے مشکل کہ کوئی نشانی نہ اٹاچی کی نہ بیگ کی۔ صرف سبز رنگ اور کالا رنگ بہر حال خاصی الجھن رہی پٹی پر سامان آتے ہے اور لوگ اُٹھائے ہے ایک بیگ پر شک ہوا تو فوراً اسے کھینچا اور زرد تالے کو فوراً چابی سے کھولا کھل گیا تو اطمینان ہوا کہ صحیح بیگ ہے پھر موونگ بیلٹ پر ناچتے ہوئے اٹاچیوں کو دیکھنے لگا اچانک ایک اٹاچی نے دور ہی سے مسکرانا شروع کر دیا قریب آیا تو اُسے میں نے کھینچ لیا اور پھر اُسے بھی چابی کے ساتھ چیک کیا اور ٹرالی پر رکھا۔ پورٹر آتے رہے مگر اب کوئی مسئلہ نہیں تھا پھر میں سمیت سامان کے کاؤنٹر پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ سوا دو بجے کے پلین کے لئے مجھے ایئرپورٹ ہی پر رہنا ہوگا کہ دو گھنٹے پہلے بین الاقوامی پروازوں کے لئے لاونج جانا اور ضروری مراحل طے کرنے ہوتے ہیں اور یہ دو گھنٹے مجھے ایئرپورٹ کے خوبصورت ریستوران میں گذارنے ہیں جس کے لئے انہوں نے فون کر دیا کہ ویٹر آ کر سامان اور مجھ کو لے جائے۔ ویٹر کے آنے تک میں نے فون کی تلاش کی بات کی تو کاؤنٹر پر موجود آفیسر نے لاونج کے باہر ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ سے فون کا مشورہ دیا کہ یہاں اکثر کارڈز استعمال شدہ ملتے ہیں۔ (سبحان اللہ) سو فون کیا۔ یاد ہے نا۔ مشکل مسئلہ ہزار کے نوٹ کا بھنانا تھا بہر حال طے ہوا اور واپس آئے ریستوران گئے جس کے لئے کھانے پینے کا ٹوکن PIA کی طرف سے دیا گیا۔ لائٹ ریفرشمنٹ لی اور 12 بجے لاؤنج خلاف توقع کسٹم والوں نے میرے سامان کو چیک نہیں کیا البتہ پاکستانی

Scanned with CamScanner

کرنسی کا پوچھا کہ آپ کے پاس کہیں ہزار سے زیادہ تو نہیں ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ہوں سچ کہوں گا کہ اُسے اس کے ماں نے 40 روپے دیئے تھے اور مجھے میرے بچوں کی ماں نے 4000 ہزار دیئے ہیں۔ (دیئے تو پانچ ہزار تھے مگر ایک تو فون والے نے لے لیا تھا اور ریزگاری میری جیب میں تھی) اُس نے اسے انجوائے کیا اور کہا۔ او۔ کے گو آہیڈ۔ پھر امیگریشن کا مشکل مرحلہ درپیش تھا۔ سامان بورڈ کیا اور چھٹی وغیرہ کے کاغذات کو دوبارہ چیک کیا کہ آخری لمحات میں کوئی بات مسئلہ نہ بنا دے۔ مگر وہ خاتون پہچان گئی۔ کہیں دیکھا ہے سے بات شروع ہوئی اور سوائے پاسپورٹ میں ویزہ کا صفحہ دیکھے اور ایک فوٹو کاپی ڈیمانڈ کرنے کے علاوہ محض ''خیر نال جاؤ تے خیر آؤ'' قسم کی مسکراہٹ ہی پروانہ راہداری یعنی اجازت نامہ تھا۔ وہاں سے لاونج میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جہاز دیر سے آیا ہے اور کم از کم 50 منٹ فلائٹ لیٹ ہوگی۔ لاونج کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور مسافر مختلف پروازوں سے رفتہ رفتہ اپنے اپنے جہازوں کی طرف جا رہا تھے۔ دبئی، انگلینڈ، ہالینڈ، جرمنی اور نہ جانے کہاں کہاں۔ ایک ہنگامہ تھا۔ ہر دس منٹ بعد ایک آواز اُبھرتی کہ فلاں جگہ کے مسافر جہاز تشریف لے جائیں۔ میں نے دیکھا لاونج میں جگہ جگہ فون بوتھ موجود ہیں۔ پھر میں نے سو روپے کا 20 یونٹ کا کارڈ خریدا اور تمہیں نیند سے جگایا تا کہ تم خواب میں گا سکو۔ میں اٹھے تے ماہی کراچی پہنچے او امریکہ تے مل اُس اختر چاچی۔ بالآخر PK-765 کا اعلان ہوا اور ہمیں ایک کاریڈور میں سے ہوتے ہوئے بورڈنگ کارڈ ز ہاتھ میں پکڑے روانہ ہو گئے ایک دروازہ پر دو ہوسٹس کھڑی خوش آمدید کہتی اور بورڈنگ کارڈ دیکھتی رہی دروازے کے اندر آیا تو معلوم ہوا کہ ارے یہ تو براہ راست PK-765 میں پہنچ گئے۔ اس کے مقابلے میں پشاور سے کراچی والا جہاز تو بس کھلونا ہی لگا۔ اب کے سیٹ خود ہی تلاش کی (ایکسپرٹ جو ہو گیا تھا) کھڑکی والی سائیڈ میں یہ 18C تھی گویا کھڑکی کے قریب A،B اور پھر C گلشن رحمان کے بلاک یاد آ گئے اوپر نیچے اور درمیان (ویسے یہ منٹو کی ایک کتاب کا نام بھی ہے) میرے بائیں جانب نیوجرسی میں رہنے والا ایک پاکستانی انجینئر اور اُس کے بائیں طرف ایک

سٹوڈنٹ۔ جہاز نے رن وے پر بھاگنا شروع کیا اور ساتھ ہی سکرین پر وہی ہدایات دوبارہ ہوسٹس کی زُبانی سنیں۔ دُعا بھی پڑھی گئی اور ٹیک آف کے بعد کہا گیا کہ ہماری پرواز 8 گھنٹے اور 45 منٹ بعد آئرلینڈ کے شہر Shannon کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر پہنچ جائے گی جہاز اوپر اُٹھتا گیا حتیٰ کہ بادلوں میں سے گذر کر اتنی بلندی پر پہنچا جہاں سے بادل ریت کے ذروں کی طرح دکھائی دینے لگے تو لائٹ ریفرشمنٹ Serve کی گئی یہ جوس، سینڈوچ، بسکٹ، ٹافی، جوبلی اور چیز، بٹر، جیم پر مشتمل تھی سکرین پر فلم شروع ہو چکی تھی۔ ہوسٹس اس سے قبل ایئر فون دے چکی تھی اور جہاز میں سردی کے پیش نظر بلینکٹ بھی تقسیم کر چکی تھی جسے لوگ اوڑھ کر سو رہے تھے میرے دائیں جانب ایک سپنش لڑکی اور اُس کا ساتھی مطالعے میں مصروف تھے جبکہ بیشتر لوگ نیند کی آغوش میں تھے فلم کی آواز سب کے کانوں میں آ رہی تھی مگر سپنش گرل ایئر فون لگائے جھوم رہی تھے مجھے حیرت ہوئی کہ فلم کے مکالموں پر کوئی کیسے جھوم سکتا ہے۔ جہاز کی پرواز اتنی ہموار تھی کہ اندر قطعاً یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ ہزار میل سے زیادہ کی رفتار سے اُڑ رہے ہیں جہاز بالکل رُکا ہوا لگتا تھا اچانک میں نے دیکھا کہ وہ سپنش لڑکا کتاب بند کر کے ایئر فون لگا کر سیٹ کے نیچے کچھ ٹٹول رہا ہے اور پھر اُس کا سر بھی جھومنے لگا۔ اب میں نے بھی سیٹ کے بازو کے ساتھ والیوم کے بٹن کے ساتھ والا بٹن دبایا تو کانوں میں فلم کے مکالمے کی بجائے موسیقی کی آواز آنے لگی معلوم ہوا کہ اس کے 9 چینل ہیں اور تلاوت کلام پاک، اُردو غزلیں، فلمی گانے، انگلش موسیقی کے علاوہ بچوں کے لئے کہانی، نظمیں اور لوریاں بھی آپ سن سکتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ناشتہ سرو کیا گیا پھر چائے کولڈ ڈرنکس۔ اب صبح پھیل چکی تھی لوگ آزادانہ جہاز میں یہاں وہاں گھومنے لگے۔ واش روم جانے لگے میں نے یہ وقت پڑھتے، سوتے، جاگتے گذارا، جہاز کے کپتان کی آواز گونجی ’’میں کپٹن فیروز آپ سے مخاطب ہوں۔ میں بہت پہلے آپ سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جہاز کی روانگی میں گھنٹہ بھر کی تاخیر سے آپ کو زحمت ہوئی تھی اور پھر آپ لوگ سو رہے تھے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ہم اس دوران جرمنی ہالینڈ گلف کے ممالک پر سے اُڑتے ہوئے گذرے کچھ

Scanned with CamScanner

ہی دیر قبل ہم فرنیکفرٹ پر پرواز کر رہے تھے اب کچھ ہی دیر بعد ہم Shannon کے ہوائی مستقر پر پہنچ رہے ہیں ہم ایک گھنٹہ تاخیر سے روانہ ہوئے مگر ہم اس اڈے پر صرف 29 منٹ شیڈول سے لیٹ پہنچ رہے ہیں۔ آپ کے پاس یہاں صرف 40 منٹ ہوں گے آپ جہاز سے لاؤنج میں جا سکتے ہیں یہاں کا درجہ حرارت اس وقت 23 درجہ ہے اور جب ہم جہاز سے نکلیں گے تو بادل چھائے ہوئے ہوں گے یہاں سے آپ کا یہ سارا عملہ بدل جائے گا۔ اُمید ہے ہمارے ساتھ آپ کا سفر خوشگوار رہا ہوگا۔"

اور پھر جہاز نیچے آنے لگا پندرہ بیس منٹ بعد کھڑکی سے دیکھا تو یوں لگا جیسے برف کے میدان کی طرف آ رہے ہیں مگر وہ بادل تھے ان کا سینہ چیر کر جہاز جب مزید نیچے آیا تو Shannon کا علاقہ کچھ کچھ نظر آنے لگا اور بالآخر وہ چھوٹا سا خوبصورت ایئرپورٹ آنکھوں کو سکون دینے لگا کیونکہ سارا سکون زمین پر ہی تو ہے۔ Shannon کا وہ صاف ستھرا ایئرپورٹ بادلوں کی وجہ سے اور بھی حسین لگا۔ اندر گئے تو ریستوران اور مختلف چیزوں کے سٹورز سے لگا کسی پلازا میں آ گئے ہیں۔ ایک عجیب چہل پہل ہمارے ساتھی مسافر خصوصاً خواتین ہر چیز کو دیکھتیں مگر قیمت پڑھ کر آگے بڑھ جاتیں۔ وہاں قیمتیں آئرش پونڈ میں تھیں اور جگہ جگہ بورڈ لگے تھے جس سے آپ کو معلوم ہوتا کہ ایک آئرش پونڈ کتنے ڈالر۔ کتنے پونڈ کا ہے۔ پاکستانی روپے کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ ڈالر کے حساب سے لوگ حساب کرتے مجھے حیرانی ہوئی کہ جو عام استعمال کی چیزیں کنگھی اور برش تک 3، 4 ڈالر یعنی ڈھائی تین سو روپے سے کم میں نہ تھیں گویا 5 روپے کی کنگھی 300 روپے میں۔ مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں میں نے ٹریولرز چیک نکالے اور سو ڈالر کا چیک لے کر اُس کھڑکی پر پہنچا جہاں ایک ہنستی مسکراتی آئرش لڑکی ایک یورپین خاتون کو آئرش پونڈ دے رہی تھی وہ ہٹی تو ڈرتے ڈرتے میں بھی پہنچا کہ کیا خبر پاکستانی ٹریولز چیک کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ میں نے چیک آگے کیا اور کہا کہ میں اسے بھنانا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا کیا آپ کو آئرش پونڈ چاہئے ہوں گے میں نے کہا نہیں US ڈالرز۔ اُس نے او۔ کے کہتے

ہوئے چیک واپس میرے آگے رکھا تو میں گھبرا گیا مگر ساتھ ہی اُس نے پین دیا کہ اس پر دستخط کردو۔ میں نے کردیا تو اُس نے مجھے سوڈالر دے دیئے اور میرے سارے خوف اور خدشات کو نظر انداز کر کے میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ بس پھر اناونسمنٹ ہوئی کہ PK-765 کے مسافر واپس چلے جائیں ہم گئے جہاز میں بیٹھے جہاز اڑا کپتان نے خوش آمدید کہا کپتان اسٹیورٹ ایئر ہوسٹس سارا عملہ اب بدل چکا تھا نئے میزبان پرانے مہمانوں کی سیوا کرنے میں جت گئے وہی مسکراہٹیں۔ وہی اعلان شکلیں اور آوازیں بدل گئی تھیں معلوم ہوا کہ اب ہم چھ گھنٹے اور دس منٹ بعد نیویارک پہنچ جائیں گے۔ پھر وہی کھانا پینا، کپتان نے البتہ ویلکم کرتے ہوئے کہا کہ اب تک تو آپ کا سفر زیادہ تر خشکی پر تھا مگر اب آپ اوشن یعنی سمندر کے اوپر سے پرواز کریں گے اور موسم کی خرابی کی وجہ سے آج یہ سفر قدرے ناہموار ہوگا ا (آج ہی ہونا تھا)س لئے سیٹ بیلٹ باندھے رکھیئے اور یہ ساری باتیں مجھے ڈرانے کی کافی تھیں اور واقعی جہاز وقفے وقفے سے تھوڑی دیر کے لئے لرزنے لگتا۔ لیکن بالآخر خوش خبری سنائی گئی کہ ہم نیویارک کے جان۔ ایف۔ کینڈی ایئرپورٹ پر اُترنے والے ہیں موسم اور درجہ حرارت بتایا گیا اور آخر کار کھڑکی میں سے آسمان کو چھوتی ہوئی عمارتوں کا شہر نیویارک نظر آنے لگا۔ سکھ کا سانس لیا اور جہاز سے نکل کر لاونج میں آ گئے اور امیگریشن کے مختلف مراحل طے کئے۔ جو آسانی سے اس لئے نبٹ گئے کہ کھڑکی کے پیچھے بیٹھے نوجوان نے پاسپورٹ دیکھا اور دوسرے کاغذات کو دیکھ کر کہا او وہ آپ پروفیسر ہیں میں نے اثبات میں سر ہلایا تو فوراً سٹیمپس لگائیں اور سیٹ سے کھڑے ہو کر مجھے کاغذات دیتے ہوئے امریکہ میں خوشگوار وقت گذارنے کے لئے وش کیا۔ مجھے بہت اچھا لگا کہ امریکہ میں پہلا استقبال خوب رہا مگر مجھے لینے کے لئے چودھری صابر کی ڈیوٹی لگائی تھی جس کے لئے کچھ انتظار کرنا پڑا کہ وہ نیویارک کی ٹریفک میں پھنس گئے تھے۔ ایئرپورٹ پر ایک ہجوم تھا۔ اور ہر شخص جلدی میں تھا ، چودھری صابر کے ہمراہ ہوائی اڈے سے نکلا۔ اور نیویارک کی سڑکوں پر سے تیرتے ہوئے جوہر میر صاحب سے ملنے ایک ریستوران پہنچے وہ وہیں انتظار کر رہے تھے بے تحاشا خوش تھے اور میر

Scanned with CamScanner

صاحب جب خوش ہوتے ہیں تو بچوں کی طرح ان کے چہرے پر لالی نمودار ہو جاتی ہے۔اور پھر اُن کے ساتھ اُن کے اپارٹمنٹ آ گئے۔فریش ہونے کے بعد گپ شپ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔یہ علاقہ جیکسن ہائیٹس کہلاتا ہے اور یہاں پاکستانی۔ ہندوستانی اور بنگلہ دیشی کی بڑی تعداد رہتی ہے اس لئے بیشتر دکانیں پاکستانیوں کی ہیں اور کباب ہاؤس، شیریں محل، شاہین ریستوران کی قسم کے نام عام ہیں جہاں حلال کھانے ملتے ہیں شام کو شاہین ریستوران میں بہت سے احباب سے ملاقاتیں ہوئیں اور رات نو بجے وہیں سے جوہر میر صاحب جاب پر چلے گئے اور میں ان کے ساتھ رہنے والے تنویر شاہ کے ساتھ اپارٹمنٹ لوٹ آیا سخت تھکن سے آنکھوں میں جلن ہونے لگی تو میں سو گیا۔ ہاں اس دوران دوبارہ عتیق صاحب کا فون آیا۔ بھابھی سے بھی بات ہوئی اور حلقہ کی تقریب کے بعد پروگرام یہ بنا کہ میں عتیق صاحب کے ساتھ بوسٹن چلا جاؤں گا۔اب صبح ہے 8 بجے جوہر میر واپس آئے۔زبردست قسم کا ناشتہ بنایا اور پھر گیارہ بجے تک گپ چلتی رہی۔ پھر وہ سونے چلے گئے اور میں نے کاغذ قلم سنبھالا.................. کیسے گذر رہی ہے بچوں کے سکول کھل گئے ہیں۔ ذی شان یہیں ہے کیا؟ امی اور مونا کا کیا پروگرام ہے۔ثمینہ واپس چلی گئی۔ ناظم کیا ایئرپورٹ ہی سے چلا گیا تھا۔ جہانزیب وغیرہ آپ کو چھوڑنے آئے۔ خالد نسرین بوبی وجیہہ سعدی انجم یہ لوگ اپنے گھر چلے گئے یا ادھر ہی آئے تھے۔ھواز لائف............ دفتر جانا شروع کر دیا۔ بچوں کا بہت خیال رکھو۔ بلاوجہ باہر نہ ہی جائیں تو بہتر ہو گا۔ اپنا خیال رکھو۔ میں انشاء اللہ اپنے وقت پر آ جاؤں گا۔ کیونکہ کلاسز شروع ہو جائیں گی۔ پھر انشاء اللہ بات ہو گی۔ اللہ نگہبان

آپ کا علی

☆..................☆..................☆

رفعت جی! پیار لو!

میرا رب کرے آپ سب خیریت سے ہوں۔ اس سے قبل میرے دو خط مل چکے ہوں گے۔ گذشتہ رات شاہین کیفی سے واپس آیا تو عتیق صاحب کا فون آیا خوب گپ شپ ہوئی وہ

اتوار کو نیویارک والدہ صاحبہ کو ریسیو کرنے آئے گا اور انہیں بھائی کے گھر چھوڑ کر ''حجرہ میر'' آجائے گا اور پھر میں اُن کے ساتھ بوسٹن کے قریب کیپ کوڈ چلا جاؤں گا۔ سنا ہے کہ بہت خوبصورت جگہ ہے بہر حال ''شنیدہ کے بود مانندہ دیدہ'' (سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے) آپ نے فون پر مووی بنانے کی بات کی مگر مووی کیمرہ اُن کے پاس بھی نہیں ہے 400 ڈالرز سے کم کا ملے تو شاید خریدلوں۔ تقریب کے بعد جب عتیق صاحب آئے تھے تو جاتے ہوئے ایک لفافہ دے گئے کہ اس میں میرا فون نمبر اور میل ایڈریس وغیرہ ہے۔ اُن کے جانے کے بعد کھولا تو نہ فون نمبر تھا اور نہ ہی پوسٹل ایڈرس البتہ 50،50 کے دو نوٹ یعنی 100 ڈالرز پڑے تھے عجیب آدمی ہے۔ فون پر کہا بھی کہ عتیق جی یہ کیا ہے مگر آپ کو تو اس کی محبت اور خلوص کا پتہ ہے...... میں تو...... بہت کم باہر اکیلا جاتا ہوں۔ اس لئے بہت کم خرچہ ہے۔ ٹکٹ لفافہ یا سب وے (ٹرین) کے لئے ہی خرچہ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں آپ کسی سب وے سٹیشن 1.5 ڈالر کا ٹکٹ خرید کے گھس جائیں اور جہاں مرضی ہے نیویارک میں چلے جائیں یا کتنی ہی گاریاں صبح سے شام تک بدلتے رہیں زیر زمیں اور زمین کے اوپر سیر کرتے رہیں۔ البتہ سٹیشن سے ایک بار باہر آ گئے تو پھر اندر جانے کے لئے ٹکٹ خریدنا پڑے گا۔ ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں ہیں خودکار دروازے سٹیشن آنے پر خود ہی کھلتے اور پھر چند لمحوں کے بعد بند ہوتے ہیں اور ایک سیلاب لوگوں کا اُترتا چڑھتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں بوڑھے بوڑھیاں اور بچے بچیاں سب مل کر ہی سفر کرتے ہیں جو جہاں جس کے پاس بیٹھ جائے۔ سفر میں زیادہ تر نوجوان لڑکے لڑکیاں واک مین لگائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ساتھ ساتھ جھومتے بھی ہیں اُکا دُکا لڑکی آپ کو کتاب یا رسالہ پڑھتی ہوئی نظر آئے گی۔ اکثر جاب کر کے واپس آتی ہیں تو ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر کے کاندھوں پر سر رکھ کر بے فکری سے سو جاتی ہیں۔ اپنے سٹیشن سے ذرا پہلے نہ جانے کیسے جاگ جاتی ہیں اور ''سوری ہول نائٹ آئی واز آن دی جاب آئی ہوپ یو ڈونٹ مائنڈ اٹ'' گویا معذرت کہ میری وجہ سے آپ کے کاندھے کو زحمت ہوئی نہ ہوا چچا غالب ورنہ اُسے روز اپنا یہ شعر پڑھنا پڑتا۔

نیند اُس کی دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

سارا دن سوری۔ ایکسکیوزمی۔ تھینک یو۔ نوک زبان پر رہتا ہے دوسروں کے آرام کا اور عزت نفس کا یہاں بہت خیال رکھا جاتا ہے یوں تو ہر ملک اور ہر زبان کا شخص آپ کو یہاں ملے گا مگر زبان انگریزی اور سپینش ہی زیادہ چلتی ہے اس طرح دیگر ممالک کے لوگ نیویارک میں ایک مخصوص جگہ پر رہتے ہیں۔ جیسے جیکسن ہائیٹس جہاں میر صاحب کا اپارٹمنٹ ہے اس علاقے میں ایشیائی لوگوں کی اکثریت ہے۔ ہندوستانی، پاکستانی، بنگلہ دیشی اور چین وغیرہ کے لوگ ہی رہتے ہیں۔ حلال چیزیں یہاں آسانی سے ملتی ہیں اور بڑے بڑے سٹورز ہیں جو انہی ممالک کے لوگوں کے ہیں۔ سیلز گرل بھی ایشیائی ہی ہیں زیادہ تر ہندوستانی۔ جیکسن ہائیٹس کو آپ ایک منی پاکستان کہہ سکتے ہیں اُردو پنجابی ہندکو اس علاقے میں چلتی ہے یہاں کے کباب ہاؤس میں آپ کو پاکستانی کھانے 5 چھ ڈالرز میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ میر صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ رات 9 بجے جاب پر چلے جاتے ہیں اور صبح 8 بجے آف کرتے ہیں۔ 8 بجے اُن کے ساتھ گپ لگتی ہے ناشتہ تیار کر کے دیتے ہیں اور پھر 10 بجے تک سو جاتے ہیں اور شام 5 بجے جاگتے ہیں نہا دھو کر تیار ہو کر سات بجے شاہین ریستوران جا کر دوستوں سے مل کر 9 بجے پھر چلے جاتے ہیں اُن کا بیٹا پو پی صبح گیارہ بجے جاب پر جاتا ہے اور رات 3 بجے کے لگ بھگ لوٹتا ہے اور سو جاتا ہے بس ایک تنویر شاہ ہے جو چھٹی پر ہے مگر وہ بھی ساری رات جاگتا اور صبح سوتا ہے پھر 3 بجے کے قریب جاگتا ہے کل شامین سے ہم دس بجے لوٹے کھانا کھایا اور تنویر شاہ نے کہا چلو شاہ جی سوا نوں نیویارک وکھالیاں۔ گیارہ بجے گئے ٹیکسی پکڑی اور ولیج گئے۔ بارونق جگہ ہے۔ آؤ کچھ پی لیاں ہنستے ہوئے ایک کلب میں گھس گئے تو بڑی مشکل سے ایک کرسی ملی جس پر مجھے بٹھا کر تنویر شاہ اُس ہجوم میں گھو گئے جو انتہائی کم روشنی میں انتہائی تیز موسیقی کے لے پر ایک دوسرے کے بانہوں میں جھول رہا تھا جھوم رہا تھا چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔ 15 سال کے کم سن لڑکے لڑکیوں سے لے کر 50-55 سال

Scanned with CamScanner

تک کے مرد و خواتین ایک دوسرے کا سہارا بنے ہوئے تھے جلدی ہی تنویر شاہ کو ایک سپینیش ساتھی میسر آ گئی اور وہ ''ڈو یو بلیوان لو کم اون ٹل می'' گانے پر مست والست ہو کر ناچ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں میرے حلق میں اورنج جوس سوکھی روٹی کی طرح پھنسنے لگا تھا اور جب ایک رو میں تنویر شاہ قریب آئے تو میں نے چلنے کا اشارہ کیا اُس نے اپنے پارٹنر سے معذرت کی اور نہ جانے میرے بارے میں اشارے کرتے ہوئے اسے کیا کہا کہ اُس نے میری طرف دیکھ کر ''پور گائے'' کہا اور فلائنگ کس سے وش کیا باہر کھلے ماحول میں آئے تو میں نے سکھ کی سانس لی۔ یہ ہے نیو یارک باٹی نائٹ باقی ملاقات پر۔ جانی بیٹے کیسے ہو تم، شام تو کچھ سدھرا ہے یا نہیں۔ میں بہت خوش ہوں کہ تم قرآن پاک پڑھنے جاتے ہو۔ اور ٹیوشن بھی پڑھنے جاتے بھی ہو اور سر بھی روز ہی آتے ہیں۔ میرا سلام اُسے کہنا۔ انگریزی کو خوب وقت اور توجہ دو۔ یہاں آ کر احساس ہوا کہ آنے والے دنوں میں اس زبان کی حکمرانی ہوگی۔ کورس سے ہٹ کر پڑھو اور سر کے ساتھ بولنے کی مشق کرو۔ خدا کرے تمہارے ٹیسٹ اچھے بلکہ شاندار ہو جائیں۔ بس یہی دن ہیں اب آپ کا تین سالہ کورس کا امتحان ہوگا جتنا زیادہ وقت دے سکو دیتے رہو۔ کلاس میں تمہیں سب سے آگے دیکھنا چاہتا ہوں باقی سب کچھ ہوتا رہے گا۔ شام کو بھی سمجھاؤ۔ شام تمہارے ٹیسٹ کیسے ہوئے۔ کھیلو ضرور مگر پڑھائی پہلے ابھی سے عادی ہو جاؤ گے تو آگے مسئلہ نہیں ہوگا۔ ماں جی سلام سر ٹھیک ہویے کہ نہیں۔ چاچے نال گل ہوگئی آ۔ بس ذہن تو بوجھ لا لیے۔ اللہ اچھا کرسی۔ انجم نے ولہ زاک روڈ وال چکر لگایے کہ نہیں۔ کہاردی کیہ صورت اے۔ باجی نوں کہہ کہ جہاں زیب نوں کہہ کے تے کالے نال گڈی دی گل کر لیوے۔ ادھر خالد انجم نسرین تے بچیاں نو سلام تے پیار۔ کالو نے کتھے داخلہ لتیے؟ او کے۔ رفعت جی۔ تیری طبیعت ہونڑ ٹھیک اے، ذرا احتیاط کرنا یارا۔ لطیف کو اور نجمہ کو فون کر کے میری تعزیت پہنچا دیں۔ بچوں کا خیال رکھنا تا کہ دل لگا کر پڑھ سکیں۔ جس دوست کا فون آئے سلام کہہ دینا۔ اب جاؤ اپنا خیال رکھنا۔ خدا حافظ

تمہارا علی نیو یارک

کیپ کاڈ

مسیاچوسیٹ

13-14 ستمبر 1999ء

رفعت جی۔ پیار لو!

نیویارک پہنچنے کے بعد عتیق صاحب نے فون کیا کہ تیار رہنا میں 5 بجے لینے آؤں گا۔ خیر تیار کیا ہونا تھا تاہم بیگ میں ایک دو جوڑے رکھے۔ شام 4 بجے عتیق صاحب آئے اور آتے ہی سو گئے کہ صبح جلدی جاگ کر 6 گھنٹے کی ڈرائیو کر کے کیپ کاڈ سے نیویارک آئے تھے اور پھر ایئرپورٹ سے والدہ صاحبہ کو لے کر لانگ آئی لینڈ اور وہاں سے یہاں آئے تھے۔ ذکیہ بھابی کو جیکسن ہائیٹس شاپنگ کے لئے چھوڑ آئے تھے کہ جب تک وہ فارغ ہوتی ہیں میں تھوڑی نیند لے لوں۔۔ بھابھی 5.30 بجے آئی اور چھے بجے عتیق صاحب جاگے اور چائے پی کر ہم 80th سٹریٹ سے 74th سٹریٹ آئے جہاں اُن کی گاڑی پارک ہوئی تھی اس کے قریب ہی حلقہ ارباب ذوق کا پندرہ روزہ اجلاس ہونا تھا۔ وہاں سے گذرے تو باہر کارڈ لگا ہوا تھا۔ صدارت ناصر علی سیّد۔ مجھے اطلاع ہی نہیں تھی اجلاس کا تو علم تھا مگر صدارت کا وہیں جا کر معلوم ہوا۔ مجبوراً رُکنا پڑا اور وہ جو ہم نیویارک سے 6:30 بجے تک نکلنا چاہتے تھے اجلاس کے بعد کوئی سوا دس بجے کے لگ بھگ نکل سکے۔ رات کا وقت نیویارک جیسے دلہن کی طرح سجا سنورا جگمگا رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آگے دیکھوں دائیں دیکھوں یا بائیں دیکھوں۔ بھابھی نے جوس کا بڑا پیکٹ ہاتھ میں پکڑا دیا مگر جب تک نیویارک کے پل کو عبور نہیں کر لیا ایک سپ بھی نہیں لے سکا۔ سارا راستہ رات کی تاریکی میں بھی جیسے چمک رہا تھا۔ رات گئے کیپ کوڈ پہنچے۔ یہ جزیرہ وہی ہے جہاں کچھ ہی دن پہلے کینیڈی جونیئر کا جہاز گرا تھا اور اس وجہ سے خاصا خبروں میں تھا۔ یہاں لوگ دور دور سے مری کالام کی طرح سیزن گذارنے آتے ہیں اور جون جولائی اگست میں سارے بیچ ساری سڑکیں اور سارے پول اور ہوٹل، موٹل جیسے لوگوں سے بھر جاتے ہیں ستمبر میں رش اتنا تو

Scanned with CamScanner

نہیں ہوتا مگر ہوٹل اور موٹل بھرے پڑے ہوتے ہیں۔عتیق صاحب نے جو موٹل خریدا ہے اُس کا نام کیپٹن جاناتھن موٹل ہے یہ ایک بہت ہی خوبصورت چھوٹا سا موٹل ہے جس میں 25 کمرے ہیں اور ایک جو بیڈروم کاٹج ہے اور ایک 3 بیڈروم گھر ہے جو دفتر کے ساتھ ہی ملحق ہے۔وسیع کار پارکنگ خوبصورت لان جس میں چبوترے اور چھتریوں کے نیچے کرسیاں ہیں۔ایک جھولا ہے اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پیارا سا سوئمنگ پول ہے۔ان دنوں یہاں کسی دن کوئی بھی ہوٹل، موٹل خالی نہیں ہوتا اور سب کے باہر نو ویکنسی کا بورڈ روشن رہتا ہے۔ میں ان کے پاس گھر میں ہی ہوں اور عتیق صاحب سے زیادہ بھابھی خیال رکھ رہی ہے۔کیا کیا پسند ہے۔کون سی ڈش۔ چائے کے ساتھ کیا کیا ابھی باہر سے آئس کریم کھا کر آئے ہیں۔لنچ ڈنر تو پرتکلف ہوتے ہی ہیں چائے کے ساتھ بھی اہتمام ہوتا ہے آج سہ پہر کو سویاں بنائی تھیں بہت مزہ آیا ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ہم اُس چبوترہ میں لان میں بیٹھے گرما گرم چائے اور سویاں کھا رہے تھے۔

رفعت جی یہاں آنے سے قبل چاچا مشتاق کا فون آیا تھا۔کہہ رہے تھے کہ اگر شکاگو آنا ہو تو میرا دفتر وہاں سے قریب ہے۔میرا وہاں کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔گھر تو ان کا اریزونا میں ہے۔اُن سے ہی بات ہوئی سارہ بہت خوش تھی اور کہہ رہی تھی کہ یہاں ضرور آئیں۔

چاچی اختر بھی آنے کا کہہ رہی تھی مگر یہ ممکن نہیں ہے ایک تو وہ 3 ہزار میل دور ویسٹ ساؤتھ میں ہیں اور جہاز میں 6:30 ساٹ گھنٹے لگتے ہیں اور پھر ریٹرن ٹکٹ غالباً چھ سات سوڈالرز کا ہے اور وہ آنے کا بار بار کہتے ہیں مگر.........

خیر آج بھابھی نے آپ لوگوں کے خطوط دیئے۔ بار بار پڑھے جانی کی ہینڈ رائٹنگ ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے خط بھی خوب اور عمدہ لکھا ہے۔مونا کا خط بھی مزے کا ہے۔شام کا خط پڑھ کر تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔تمہارا خط تو خیر تمہاری ہی طرح تھا یعنی زبردست اور بہت شاندار۔شام کا خط بھابھی کو بھی سنایا۔اور جانی کا خط پتہ ہے کیسے سنایا؟ چلو بوجھو.........جی نہیں.........آپ نے جس کا نمبر بھیجا تھا جی جناب داؤد کو۔۔اُس نمبر پر فون کیا۔ بتا نہیں سکتا کتنا

خوش ہوا اُس کے بس میں ہوتا تو فون کے ریسور میں سے نکل آتا۔ کہہ رہا تھا معلوم ہوا کہ آنے والے ہو مگر پھر یقین ہو گیا کہ نہیں آئے ورنہ سب سے پہلے تو مجھے ہی فون کرتے۔ جب معلوم ہوا کہ 2 ہفتے ہو گئے تو بے حد ناراض ہوا مگر میں نے بتایا کہ نمبر گھر بھول آیا تھا۔ زہرہ بھابھی جاب پر تھی کومل اور اس کی دو جڑواں بہنوں (روکش۔ دلکش) کی آوازیں آرہی تھیں۔ داؤد کیلی فورنیا لاس اینجلس میں ہے۔ چاچا مشتاق سے بھی دور.......... مگر داؤد نے کہا اب اپنا پروگرام بناؤ میں نے کہا بس واپسی کی تیاری ہے تو چیخ اُٹھا۔ فوراً اِدھر پہنچو۔ میں نے کہا سنو تو۔ کہا کچھ نہیں سننا۔ پہلے یہاں کا نمبر دو میں نے عتیق صاحب کا نمبر دیا تو فون بند کرتے ہوئے کہا کہ میں کچھ دیر بعد کروں گا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اُس کا فون آیا کہ میں نے جمعہ 17 ستمبر کے لئے تمہاری فلائٹ کنفرم کر لی ہے ٹکٹ مل جائے گا۔ نیویارک سے صبح 6:20 پر فلائٹ روانہ ہو گی اور ایک دو بجے تک بس چلے آؤ۔ پھر میں نے سمجھایا جلد باز شخص میں بوسٹن کے قریب کیپ کوڈ میں ہوں۔ پھر بے چارے نے سیٹ کینسل کی اور پھر جمعہ ہی کو شام 4 بجے بوسٹن سے فلائٹ میں ٹکٹ کنفرم کیا۔ اب کل وہ ٹکٹ کلیکٹ کر کے بھجوائے گا۔ سنتا ہی نہیں ہے کسی کی حالانکہ نیویارک کی نسبت اُسے بوسٹن سے کم از کم 120 ڈالرز زیادہ Pay کرنے پڑے ہوں گے۔ میں نیویارک چلا جاتا تو پھر وہاں سے کچھ کرتا بہرحال اب ٹکٹ آئے تو کچھ کلیر ہو گا۔ داؤد سے بات کے بعد شام کے قریب چاچا مشتاق کا فون آیا۔ گپ شپ کی کہاں کہاں کی سیر کی کیا کچھ دیکھا۔ آنے کا کیا سوچا۔ میں نے بتایا کہ اس طرح ایک دوست سے آج بات ہوئی تو شاید میں کیلی فورنیا چلا جاؤں کہنے لگے یہ تو بہت اچھا ہے۔ وہیں سے ایریزونا قریب ہے۔ پھر کچھ دنوں کے لئے وہاں آجاؤ۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے یوں اگر ہو سکے تو بہتر ہے مگر وہ کہہ رہے تھے کہ میں 30 کو جاؤں گا اور تم بھی 30 کو آجانا میں 4 تک رہوں گا چھٹی ہے میری.......... لیکن میں تو شاید یکم کو چلا جاؤں۔ بہرحال دیکھوں گا کیونکہ عتیق صاحب میرے ساتھ ایک شام منانا چاہتے ہیں اور جس کے لئے 12 اکتوبر کی تاریخ طے کی ہوئی ہے۔ ان سے ابھی جھگڑا چل رہا ہے مگر حلقے کی نشست کی یہی تاریخ ہے اور جس کے لئے اُن کو

Scanned with CamScanner

بھی نیویارک جانے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ جو یقیناً لاہور پشاور جتنا فاصلہ ہے۔ بوسٹن بھی یہاں سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے جہاں وہ مجھے جمعہ کو چھوڑنے اور پھر جمعرات کو پک کرنے آئیں گے۔ میری وجہ سے انہیں یہ سب کرنا پڑتا ہے مگر کیا کروں ان کی محبت ہر بات کے آگے بند باندھ دیتی ہے۔ ادھر داؤد کے لئے بمشکل پندرہ دن سے کم کر کے 7 دنوں تک کا وزٹ رکھا ہے ورنہ داؤد 15 دن سے کم پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ آج رات گئے زہرہ بھابھی کا فون بھی آیا تھا۔ وہ جاب سے آئی تو فون کیا بے حد ایکسائٹیڈ تھی کہہ رہی تھی کہ جاب پر ہوں اور بریک میں داؤد کو میں نے بلایا تھا کہ چائے لے کر آؤ یہیں مل کر پئیں گے تو کہنے لگے چائے کے ساتھ ایک خوش خبری بھی لے کر آؤں گا۔ بڑی مشکل سے دو گھنٹے تک انتظار کیا کہ ایسی کیا بات ہے۔ آیا تو بھی پہیلیاں بھجوانے لگا کہہ رہا تھا تمہارے فون سے پہلے فون آیا تھا............اور پھر جب............پھر بولا چلو بوجھو کس کا فون ہوگا۔ خوش خبری؟ فون؟ میں نے کہا کوئی Tips تو دو نا۔ دو ایک اشارے کئے تو میں چیخ اُٹھی۔ ناصر............وہ مارا خوشی بھی ہوئی اور غصہ بھی کہ دو ہفتے سے نیویارک میں ہو میں دو دن پہلے نیویارک سے آئی مجھے مسعود نے کہا تھا تب میں نے اخبارات دیکھے کچھ دن پہلے فراز والے مشاعرہ کا حال پڑھا مگر اُس میں آپ کا نام نہیں تھا میں سمجھ گئی کہ آپ کا پروگرام نہیں بنا مجھے معلوم ہوتا تو میں نیویارک سے ساتھ ہی لے آتی وغیرہ وغیرہ۔ اب جمعہ کو ملاقات ہوگی...... بہر حال بات ہو رہی تھی جانی کے خط کی میں نے کہا کہ لوسنو سنی نے کیا لکھا ہے۔

"پیارے پاپا"

السلام علیکم!

اُمید ہے کہ آپ خیر خیریت سے ہونگے۔ یہاں پر بھی سب خیریت سے ہیں اور اُمید ہے کہ آپ تقریبات اور مشاعرے بھی عروج پر ہونگے۔ آپ کی جدائی میں گھر خاموش رہتا ہے۔ آپ کی دعاؤں سے اور میری محنت سے پیپر اچھے ہو رہے ہیں اور اُمید ہے کہ اپنی منزل مقصود کو پالوں گا۔ وہاں کا موسم کس طرح ہے۔ میرے خیال میں تو خوشگوار ہوگا۔ "داؤد" انکل کو یاد

Scanned with CamScanner

دہانی کرادیجئے گا کہ ''سنی'' نے اُن کو ایک دفعہ مووی کیمرہ لانے کو کہا تھا۔ لیکن وہ مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ مجھے تو اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔ بس یہی دعا ہے کہ آپ کامیاب مشاعرے کر کے لوٹیں۔ آپ تو وہاں پھر سیر و تفریح میں مصروف ہونگے۔ کیا آپ کو ہم یاد آ رہے ہیں یا نہیں۔ جب آپ واپس لوٹ کر آئیں گے تو گاڑی آپ کو ایک نئے روپ میں ملے گی۔

آپ کا پیارا، دُلارا اور اچھا بیٹا شام مزے میں ہے۔ میرے دوست ثاقب اور سلمان بھی سلام کہہ رہے تھے۔ (خدا حافظ)

فقط آپ کا پیارا بیٹا

افراز علی سیّد عرف سنی اور جانی

میری طرف سے عتیق انکل اور اُن کے گھر والوں کو بہت بہت سلام

سب کو بہت بہت سلام کہہ رہا تھا۔ فری کو بھی پوچھنا۔ بچوں کو بہت بہت پیار۔ اب تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اگر میرے ساتھ شام 12 اکتوبر ہی کو ہونا ٹھہرتی ہے تو پھر بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جس میں سے اہم چھٹی کا ہے۔ عتیق صاحب نے بٹ صاحب سے بھی کہا وہ تو بادشاہ آدمی ہیں کہہ رہے تھے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بٹ صاحب نے کہا تھا میں ناصر کے وہاں ہوتے ہوئے امریکہ آنا چاہتا ہوں۔ کیا پتہ پروگرام بن جائے۔ نواز شریف بھی شاید امریکہ آنے کا سوچ رہا ہے۔ پروگرام تو طے ہے مگر یہاں پاکستانی کمیونٹی کے ایک گروہ نے نیویارک میں اُس کے خلاف مظاہرے کے پوسٹر لگائے ہوئے ہیں۔ شاید وہ نہ آئے۔ بہر حال اگر وہ آتا ہے تو شاید بٹ صاحب اُن کے ساتھ ہی آ جائے کچھ ٹھیک سے نہیں کہہ سکتا۔ جیسے جیسے پروگرام بنے گا میں بتاتا جاؤں گا۔ میرا خط ملتے ملتے اُمید ہے تم ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہوگی۔ ایکسرسائز شروع کی ہے یا نہیں چاول، آلو، چینی اور گھی اس سے پرہیز بہت سی مشکلات سے نجات دلاتا ہے۔ اب تک تو بچوں کے رزلٹ آ چکے ہوں گے۔ جانی ماشاءاللہ خود سمجھدار ہے محنت بھی کر رہا ہے پھر بھی اُسے توجہ دو کہ یہ سال بہت اہم اور سخت ہے باقی باتیں ہوتی رہیں گی

کھیل وتفریح بھی ضروری ہے۔گھر کا کام کاج بھی مگر اول واخر اُس کا مسئلہ سٹڈی ہے دل لگا کر پڑھے گا تو بہت اچھے نمبر آئیں گے ورنہ اکثر بچے پاس ہو جاتے ہیں مگر نمبر کم آئیں تو داخلہ کالج میں نہیں ملتا اس لئے پاس فیل ایک برابر ہو جاتا ہے۔نور حکیم سے بھی کہلوا دو کہ اب ذرا زیادہ توجہ دے اور محنت کرائے اور سب سبجکٹس ٹائم ٹیبل کے مطابق پڑھاتا سکھاتا اور سنتا جائے۔شام کے لئے بھی ٹائم ٹیبل بناؤ کہ کھیل، سپارہ اور ہوم ورک وقت پر کرے۔

امی کا کیا حال ہے۔وہاں سے واپس آئی ہیں کہ نہیں۔لطیف کو میری تعزیت پہنچا دی ہے کہ نہیں۔چاچا جاوید تو شاید چلا گیا ہوگا۔عامر والی بات نے بہت دُکھی بھی کیا اور غصہ بھی آیا۔ایک منٹ کے لئے سوچو کہ کوئی اُس کے گھر اس کی غیر موجودگی میں جا کر اُس کی بیوی سے کسی بھی موضوع پر کوئی بات کر سکتا ہوں اور اگر کرے گا تو اُسے کیسا لگے گا۔بس اس گیم کا یہی اصول ہمیشہ مدنظر رکھا کرو۔جہاں زیب آتا رہتا ہے۔گاڑی کا جیسے مناسب ہو فیصلہ کرلو۔البتہ سیٹ کور وغیرہ ضرور بنوالو۔رکھنی ہو تب بھی بیچنی ہو تب بھی۔20 ہزار تو زیادہ ہیں سات آٹھ ہزار تک کی بات ہوتی تو اور بات تھی۔بہر حال کالے (اورنگزیب) سے کہلوا کر مارچہ مارچہ بھی کھیل سکتے ہو۔طاہرہ، عالیہ اور دیگر لوگ کیسے ہیں میرا بہت بہت سلام دینا۔ادھر نسرین خالد انجم اور بچے کیسے ہیں۔ذیشان ہے یا چلا گیا ہے۔(ذیشان بیٹے۔گاؤں کی کیا صورت حال ہے کوئی نئی بات۔بادشاہ جی کے علاوہ کسی کو علم نہیں شاید کہ میں امریکہ آیا ہوا ہوں۔اور ہاں بابو چن نے بھی وہاں فون کیا تھا تم ٹھیک ہو۔رزلٹ کی آمد آمد ہوئی۔یا شاید آ چکا ہوگا۔میں خط لکھنے کے دنوں کی باتیں کرتا ہوں جب کہ خط ملتا شاید پندرہ دن کے بعد ہے۔خدا کرے کہ ملتے رہیں خط اور آپ سب خیریت سے دیکھیں یہ خط او۔کے تمہارا پاپا)۔

افراز کے لئے۔۔۔۔۔(جانی تم سناؤ۔یار تمہارا خط بہت پیارا تھا اور یہ جو تم نے لکھا ہے نا کہ انشاءاللہ میں منزل مقصود پالوں گا۔اس سے میرا خون بہت بڑھ گیا ہے اور دل بے حد خوش ہوا ہے۔اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔اب تو تم چشم بددور ہر بات سمجھتے ہو۔تمہیں خود اندازہ ہوگا

Scanned with CamScanner

کہ آج کل مقابلے یعنی کم پی ٹیشن کا زمانہ ہے کلاس میں جب تک شروع کے ایک دو لڑکوں میں تمہارا نام نہ آئے تمہیں خود بھی مزہ نہیں آئے گا۔ محنت محنت اور بہت محنت کروتا کہ تم بہت ہی اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جاؤ۔ یہاں تمہاری age کے بچے ایسی ایسی باتیں اور کام کرتے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ ارتقاء اپنے پاپا کی غیر موجودگی میں سارا بزنس لُک آفٹر کرتا ہے۔ اُس نے پاپا کا ہاتھ بٹانے کے لئے اپنے ذمے بہت سے کام لے رکھے ہیں اور اتنی باقاعدگی سے کرتا ہے جیسے کوئی پرایا ملازم اور اپنی سٹڈیز کو بھرپور توجہ دیتا ہے۔۔ٹاپ بھی کرتا ہے۔ بہن بھائی کی سٹڈیز میں مدد بھی دیتا ہے۔ میرے بیٹے راج دُلارے خوب دل لگا کر پڑھو۔او۔کے تمہارا پاپا)۔

اچھا رفعت جی باقی فون پر یا اگلے خط میں انشاءاللہ پروگرام میں نے بتا دیا ہے اس صورت میں پھر ملیں گے۔ دوستوں کے فون آئیں تو سب کو سلام۔ نذیر تبسم، جہاں زیب سب کو میرا سلام کہیں۔او۔کے

تمہارا علی

☆..................☆..................☆

"پیارے پاپا"

آداب! اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ ہم بھی یہاں خیریت سے ہیں۔ پاپا جی آپ بہت یاد آتے ہیں۔ آپ کی شکل بھول گئی ہے۔ کیا حال ہے میرے؟ میں روزانہ دن گن رہا ہوں کہ کب ایک ماہ پورا ہو کہ میرا گولو گولو سا پاپا میرے پاس پہنچ جائے۔ پاپا جانی جب میں رات کو بیڈ پر سوتا ہوں تو آپ کی خوشبو آتی ہے۔ مما میرے پاس سوتی ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ میرے پاس سوئے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی آپ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیا آپ کو میری گاڑیوں اور کھلونوں کی فوج کے بغیر نیند آتی ہے اگر نہیں تو پھر جہاز بھیج دیں تو میں آپ کو میٹھی میٹھی نیند سلانے کے لئے آجاؤں گا۔ امتحان ہو رہے ہیں میں اچھے پیپر دے رہا ہوں۔ سپارہ بھی یاد ہو گیا ہے مجھے۔ پاپا جی میرے لئے کچھ لیا کہ نہیں ویسے تو اس کی ضرورت نہیں

Scanned with CamScanner

آپ آجائیں گے تو یہی سب کچھ ہمارے لئے ہوگا۔ پھر بھی اگر ہو سکے تو میرا ایک کام کریں کہ میرے لئے ایک پیاری سیگا گیم لے آئیں۔ Thank you very much

آپ کا پیارا بیٹا

شام

☆..................☆..................☆

اٹلانٹک سٹی

8 ستمبر 1999ء

رفعت جی! پیار لو!

میرا خط مل چکا ہوگا۔ اس وقت میں ہوٹل کی 20ویں منزل کی کھڑکی کے قریب بیٹھا ہوں۔ کھڑکی سے نیچے تا حد نظر پھیلا ہوا ایٹلانٹک اوشن یعنی بحر اوقیانوس ہے جس کے پرسکون سینے پر ہلچل مچاتے ہوئے اسٹیمر اِدھر اُدھر دوڑتے نظر آرہے ہیں۔ کپل ہوگا جو ایک دوسرے کی محبتوں کو اوڑھے ہوئے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگا۔ یہ شہر ایٹلانٹا سٹی کہلاتا ہے اور پوری دنیا کے سب سے بڑے کیسینوز یعنی قمار خانوں کا مراکز میں سے ایک ہے۔ یہاں 24 گھنٹے ہزاروں ڈسکس پر لاکھوں لوگ اربوں کا جوا کھیلتے ہیں۔ خوش رو لڑکیاں اور وجیہہ لڑکے ان ڈسک پر موجود مسکراتے ہوئے لوگوں کے بلکہ جواریوں کے خواب خریدتے ہیں۔ جو ڈیڑھ لاکھ ڈالرز کے جیک پٹ کی اُمید پر اپنی ساری جمع پونجی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ یوں تو یہاں بہت سے کیسینو ہیں لیکن سب سے بڑا یہی ٹرمپ میر بنا ہے اور اس میں کیسینو لابی غالباً دو گلشن کالونیوں جتنی ہوگی اتنا ہی لاؤنج ہے۔ کئی ایک اس میں پرل سے بڑے ریستوران ہیں اور اس ہوٹل کی 27 منزلیں ہیں ایک بہت ہی بڑی آٹھ منزلہ اس کی پارکنگ ہے جس کی ہر منزل پر سینکڑوں کاریں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ زیادہ تر جواباز اسی کا رخ کرتے ہیں اگر 24 ڈالر کا آنے جانے کا نیویارک سے بس ٹکٹ خرید کر کوئی یہاں آتا ہے تو اسے ریسپشن ہی سے فی ٹکٹ 16 ڈالر بطور بونس واپس مل جاتے

ہیں۔ 5 ڈائمنڈ سٹار ہوٹل کے کمرے کی ریزرویشن 24 گھنٹے پہلے کروانی پڑتی ہے۔اور بس یہی اس کے کمروں کا کرایہ ہے مگر صرف ممبرز کے لئے۔ نئے آدمی کو ایک رات کے 420 ڈالرز دینے پڑتے ہیں۔ممبرشپ کی فیس بس اتنی ہے کہ بندہ آتا جاتا رہے اور کم از کم ہزار ڈالرز کا جوا کھیلے۔ہار جیت اُس کی اپنی۔اور ان ممبرز کو کھانا ناشتہ اور ڈرنکس کے پیسے بھی نہیں دینے پڑے اور کھڑکیوں سے سمندر کا نظارہ تو ہے ہی مفت مگر وہ میرے جیسوں کے لئے اور جس سے میں خوب فائدہ اٹھا رہا ہوں............ کیونکہ جواریوں کے لئے تو سارا حسن سارا رومانس اُن نازک بلوری انگلیوں میں ہے جو کارڈز تقسیم کرتی ہیں اور شو کرتی ہیں۔نذیر تبسم اور جہاں زیب کے لئے یہاں بڑے مواقع ہیں۔میرا ساتھی تنویر شاہ کل دو بجے دوپہر سے آج صبح دس بجے تک مسلسل کھیلتا ـــ بلکہ ہارتا رہا ہے اور مضمحل مسکراہٹ سے کہتا ہے ''شاہ جی ٹوڈے از ناٹ مائی گڈ ڈے'' اب اس سادہ لوح کو کون سمجھائے کہ اس گڈ ڈے کے انتظار میں کئی لوگ عمریں گال چکے ہیں۔عمروں سے یاد آیا کہ 21 سال سے کم عمر کے جوانوں کو تو کسینو میں کھیلنا منع ہے البتہ 80، 80 اور 90، 90 سال کے لوگ سارا سارا دن یہاں کھیلتے رہتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں، ویسے بھی اُن کے لئے بس یہی کشش اور ایکسائیٹمنٹ زندگی میں رہ گئی ہے۔کہ اپنے سابقہ اداروں سے پنشن لی ایک ہفتے یہاں ٹھہر کر ہار لی اور اگلے ہفتے کی پنشن لینے پھر لینے چلے گئے اور لوٹ آئے۔ کہ کھانا پینا اور رہائش ہیاں ممبرز کے لئے مفت ہے۔یہی حال خواتین کا بھی ہے چل نہیں سکتیں۔سہارے کے بغیر بیٹھ نہیں سکتیں اٹھ نہیں سکتیں مگر ہو ہا ہو ہا کے نعرے لگاتے ہوئے کھیل رہی ہیں۔اسی ہوٹل میں روز کوئی نہ کوئی سٹیج شو یا میوزکل کنسرٹ ہوتا ہے۔جسے کیسینو کے اندر سے کم کم لوگ ہی دیکھنے آتے ہیں اور جو آتے ہیں تو بس اتنی دیر کے لئے جس طرح مچھلی اپنے سانس بحال کرنے سمندر کی سطح پر آتی ہیں۔کچھ دیر بیٹھتے ہیں، اپنے ساتھیوں سے چوما چاٹی کرتے ہیں اور پھر ایک دوجے کی بانہوں کا سہارا لے کر واپس کھیل میں مگن ہو جاتے ہیں۔

ہم کل ایک بجے دوپہر یہاں پہنچے تھے اور سائمن فش سے لنچ کیا تھا بس ایک فش اور کسی

حد تک چکن ہی محفوظ کھانا ہے باقی تو خیر سے نہیں کھایا جاسکتا۔ چلئے نیو یارک چلتے ہیں۔ 4 ستمبر کو برازیل کا قومی دن تھا۔ 5th ایونیو میں ایک عجیب وغریب میلہ دیکھا۔ برازیلین نوجوان لڑکے لڑکیاں جنہوں نے محض لباس کا تکلف ہی کیا ہوا تھا شاید اس لئے کہ وہ جتنا بھی تھا زرد تھا جوان کا قومی رنگ ہے قدرتی لباس میں ورنہ کیا پتہ چلتا کہ یہ کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ بے تحاشا اونچی آواز میں میوزک پر اُن کے پر جوش گیت جس کی لے پر سارے ''سمبا سمبا'' ناچ رہے تھے بیسویں مرتبہ میں نے اپنے ساتھی ظفریاب کو یاد دلایا ہے کہ وہ برازیلین نہیں ہے اور برازیلین لڑکی کا ساتھ چھوڑ کر بے شک اکیلا تھرک سکتا ہے کہ چار پانچ مرتبہ میں نے بھی خود کو تھرکتے پکڑا ہے۔ افسوس کہ ویڈیو کیمرہ نہیں تھا کہ ایسے مواقع کم ہی آتے ہیں۔ اس میلے میں جہاں ان گنت اشیاء کے سٹال تھے جہاں لوگ خریداری کر رہے تھے وہاں کھانے پینے کے سٹال بھی تھے اور ہشنگری میں مسجد کے نیچے کلیجی والے بابے کی طرح گوشت اور کلیجی کے بڑے بڑے تکے سیخوں میں باربی کیو پر بھونے جا رہے تھے اور لوگ ہاتھوں میں سیخں لے کر سارے میلے میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے اور مجھے اس کی خوشبو پاگل بنا رہی تھی اور منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ میں مسلسل خشک ہونٹوں میلہ دیکھ رہا تھا۔ ظفریاب نے جب پانچواں برازیلین وائن کا گلاس خریدا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ سیّد حرام حلال کے چکر سے نکلو تا کہ ہم بھی یہاں کچھ کھا سکیں۔ مگر میں ضبط کرتا رہا اور بالآخر ایک چاٹ کی دکان سے امرود اور انگور کی چاٹ بنوائی کہ وہاں بیسویں پھل تھے مگر میں صرف یہی پہچان سکا تھا۔ وہاں سے شام 5 بجے ظفریاب ایک دانشور صوفی مشتاق کے سٹور پر لے گیا جہاں ہم نے چائینز رائس مٹن قورمہ اور چکن تکہ کھایا۔ اس سے قبل 3 ستمبر کو سہ پہر میں عتیق صاحب کیپ کوڈ بوسٹن سے چھ گھنٹے کی لانگ ڈرائیور کے بعد آ گئے تھے۔ ملے اور سب کا نام لے لے کر پوچھا۔ ریاض، فیاض، بٹ صاحب سب کا پوچھا۔ پروگرام یہ تھا کہ حلقہ کی میٹنگ کے بعد رات گذار کر صبح بوسٹن چلے جائیں گے مگر جو ہر میر کے دوست تنویر شاہ جو ان کے ساتھ ہی رہتا ہے نے کہا کہ ان کو اٹلانٹا سٹی لے جاؤں گا اور پھر بے شک چلے جائیں کہ میری اب چھٹیاں ہیں

Scanned with CamScanner

چونکہ یہ شہر دیکھنے کے لائق ہے اس لئے عتیق صاحب نے یہ امر مجبوری یہ تجویز مان لی حالانکہ اب انہیں واپسی پر پھر 6 گھنٹے اکیلا جانا پڑا۔ اگر پہلے پروگرام بنا ہوتا تو وہ بائی ایئر یا بائی بس آتے۔ اب وہ والدہ کو ریسیو کرنے 12 ستمبر کو آئیں گے تو واپسی پر میں بھی ساتھ چلا جاؤں گا۔ 3 ستمبر کی رات کو حلقہ ارباب ذوق نیویارک کے سالانہ تقریب تھی۔ بہت سے لوگ آئے تھے، ہال بھرا ہوا تھا۔ یہ تقریب بچھڑنے والوں کی یاد میں تھی۔ اس میں چار مضامین جوش، فیض، جعفری اور قاصر کے حوالے سے شامل تھے۔ میں نے غلام محمد قاصر کے حوالے سے مضمون پڑھا۔ جسے بہت پسند کیا گیا اور پڑھنے کے دوران کئی بار کئی لائنیں دوبارہ (شعروں کی طرح) پڑھوائی گئیں بعد میں مشاعرہ اور آخر میں موسیقی تھی میر صاحب اور عتیق صاحب دونوں بہت خوش تھے وہی اس تقریب کے دولہا لگ رہے تھے۔۔ اُسی رات تقریب میں سے نکل کر عتیق صاحب نے نیویارک کی قابل دید جگہوں کی سیر کروائی۔ اباسین کے ممبر اور تسنیم آرٹ گیلری کے تسنیم شہزاد کو بھی عتیق صاحب نے ہمراہ لے لیا۔ دریائے ہڈسن پر سے ہوتے ہوئے نیویارک کے بہت ہی خوبصورت حصے میں پہنچے وہیں کھانا بھی عتیق صاحب نے کھلایا۔ حالانکہ میر صاحب کے گھر پر انتظام تھا اور وہ ہماری راہ ہی تکتے رہے۔ مگر عتیق صاحب کا تو آپ کا پتہ ہے ناان کی محبتیں قرون اولیٰ کے سچے لوگوں والی ہیں۔

بس دن کیسے گذر رہے ہیں اور راتیں کیسے کٹ رہی ہیں بس یہی کچھ ہے۔ تم سناؤ نئے حالات سے کس حد تک سمجھوتہ کرلیا ہے دوری پریشانی کا باعث تو نہیں بن رہی۔ بچوں کی سٹڈیز کیسی جارہی ہیں۔ شام کے کان کا پھر تو مسئلہ نہیں ہوا۔ جانی اب تو کچھ سنجیدہ اور ذمہ دار ہوگیا ہوگا۔ ذیشان واپس چلا گیا ہے۔ مونا لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔۔ کاغذ ختم ہو رہا ہے اس لئے اجازت۔ سب کو میرا سلام۔ دوستوں میں جو بھی پوچھے تاریخ لکھ کر اُن کا نام لکھ لیا کرو۔ او۔کے۔

تمہارا علی

☆..............☆..............☆

آنکھیں نہیں دیکھیں تیرا چہرہ نہیں دیکھا
کچھ روز سے دن کوئی بھی اچھا نہیں دیکھا

ناصر علی سید

مائی ڈیئرسٹ رفعت!

ڈھروں پیار لو!

پچھلا ہفتہ عشرہ خاصا مصروف رہا بلکہ طوفانی رہا ایک تو اس لئے کہ کئی ریاستیں طوفان کے زد میں تھیں۔ فلوریڈا میں سمندر کنارے سے تقریباً 40 ہزار لوگوں کو گھر چھوڑنا پڑا۔ کیپ کاڈ کے جزیروں کے لئے 175 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان کی پیشگوئی تھی تاہم یہ 90 اور 100 کے درمیان عمومی اور کچھ دیر کے لئے 120 میل فی گھنٹہ تک گیا جمعہ کو طوفان کا زور ٹوٹا اور اُسی شام عتیق صاحب دو گھنٹے کی ڈرائیور پر بوسٹن لے کر آئے بہت تیز ہوا چل رہی تھی بلا کی سردی تھی ہم ایئرپورٹ پہنچے۔ داؤد کی دعوت پر جب میں نارتھ ویسٹ ایئر لائن کے جہاز میں بیٹھا اور جہاز روانہ ہوتو رن وے کے آغاز پر کوئی 45 منٹ رکا رہا کہ تیز ہوا کی وجہ سے ٹیک آف نہیں کرسکتا تھا بالآخر جب ہوا کا پریشر کم ہوا تو بھاگتا ہوا زمین چھوڑ بیٹھا یہ تین گھنٹے کی پرواز تھی اور ہماری منزل ریاست ڈیٹرائیٹ کا شہر میٹرو تھی۔ وہاں ہم سات بج کر دس منٹ پر پہنچے جب کہ وہاں پہنچنے کا وقت ساڑھے چھے بجے تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میٹرو سے اورنج کونٹی جانے والا جہاز ہمارے پہنچنے سے صرف 5 منٹ پہلے اڑ چکا تھا ۔ پریشانی یہ ہوئی کہ دوسری فلائیٹ اب ہفتہ کے دن صبح دس بجے تھی مجھے بتایا گیا کہ رات دس بجے ایک فلائیٹ لاس اینجلس کے لئے چلتی تھی اگر آپ اس میں جانا چاہیں۔ میں نے کہا کہ بی بی مگر وہ میرے کس کام کی کہ وہاں سے اورنج کاؤنٹی (داؤد کے گھر) کیسے جا سکتا تھا۔ پھر میں نے داؤد سے فون پر بات کی۔ اچھا پتہ ہے امریکہ میں آپ کولیکٹ کال بھی کر سکتے ہیں یعنی کسی بھی فون سے زیرو ڈائل کریں اور پھر متعلقہ نمبر ملائیں تو ایکسچینج اس نمبر سے رابطہ کر کے پوچھے گا کہ فلاں صاحب آپ سے کولیکٹ کال پر بات کرنا چاہتے ہیں اُس کی

منظوری اور اجازت سے وہ آپ کو تھرو کر دیں گے اور کال کا بل اُن کے کھاتے میں خود بخود چلا جائے گا۔ عجیب ملک ہے پیسہ تو بہت مانگتا ہے مگر آسانیاں بہت دیتا ہے۔

داؤد سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ تم کہاں ہو میں آدھے گھنٹے سے تمہیں page کر رہا ہوں۔ پیج؟ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایئرپورٹ پر میرے لئے میسج اناؤنس ہو رہا تھا کہ میں عابد سے فون پر بات کروں۔ امریکن لہجہ اتنا عجیب ہے کہ انہوں نے میرے نام کا کچھ سے کچھ بنا دیا تھا مجھے خاک سمجھ آتا۔۔ بہر حال داؤد نے بتایا کہ آپ لاس اینجلس کی فلائیٹ پکڑیں ورنہ میٹرو میں بلاوجہ رات ہوٹل میں گذارنی پڑے گی۔ اُس نے غالباً ایئرپورٹ سے معلوم کر لیا تھا کہ بوسٹن سے جہاز پہنچنے سے قبل اورنج کاؤنٹی کی فلائٹ نکل جائے گی۔ لاس اینجلس کاؤنٹی سے کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیور پر ہے۔ بہر حال وہاں کا ٹکٹ لیا اور جہاز میں سوار ہوا۔ راستے میں اچانک کپتان نے کچھ اناؤنس کیا اور جہاز میں لوگ اچانک کھڑے ہو گئے اور دائیں طرف کی کھڑکیاں کی طرف دیکھنے لگے میں پریشان کہ یااللہ کیا ماجرا ہے میری ساتھ والی سیٹ پر ایک لیڈی بیٹھی پڑھ رہی تھی اُس سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کپتان نے کہا ہے کہ اگر آپ نیاگرا فال دیکھنا چاہتے ہیں تو دائیں طرف کی کھڑکیوں سے نیچے جھانکیں۔ تب میں نے اوپر سے نیاگرا کا حیران کن ہوائی منظر دیکھا۔ ساتھ بیٹھی وہ لیڈی نہ بتاتی تو مس کر دیتا۔ کپتان نے کہا کہ ہم 3900 ہزار کی بلندی پر اڑتے ہوئے رات 12 بج کر 40 منٹ پر لاس اینجلس پہنچ جائیں گے۔ اس وقت 11:30 بجے تھے۔ جہاز نے ٹیک آف کیا۔ چائے سرو ہوئی، کولڈ ڈرنکس سرو ہوئے تو اس وقت 12:30 بجے تھے میں واش روم گیا منہ ہاتھ دھویا فریش ہوا کہ اب دس ہی منٹ بعد ہم ایئرپورٹ پر ہوں گے مگر پھر رات ایک بجے تک پرواز جاری رہی میں نے سوچا شاید ایئرپورٹ بزی ہو گا پھر 1:30 بجا۔ پھر 2 بجے پھر 2:30 جہاز اڑتا رہا میں نے ٹکٹ نکالا اُس پر بھی وقت 12:40 لکھا تھا۔ حیران ہوا کہ جہاز کہیں راستہ تو نہیں بھول گیا۔ دوبارہ جب ایئر ہوسٹس کولڈ ڈرنکس اور مونگ پھلی لائی تو پوچھا جواب ملا کہ 12:40 پر ہم لینڈ کریں گے۔ میں نے گھڑی

Scanned with CamScanner

دکھائی تو مسکرائی اور کہا اسے 3 گھنٹے پیچھے کردو۔ میں نے کہا کیوں کہنے لگی کیلیفورنیا اور یہاں کے وقت میں 3 گھنٹے کا فرق ہے۔ باپ رے ہے۔ ایک ملک میں اتنا فرق۔

بہر حال بوسٹن کے وقت کے مطابق 3:40 منٹ اور لاس اینجلس کے وقت کے مطابق 12:40 پر جہاز نے لینڈ کیا۔ Exit سے نکلا تو داؤد سامنے سے آرہا تھا اگر مسکراتا نہیں تو شاید نہ پہنچانتا بہت موٹا ہو گیا ہے۔ گھر پہنچے تو زہرہ بھابھی انتظار کر رہی تھی وہ 12 بجے کے لگ بھگ جاب سے آ گئی تھی۔ دیر تک قہوہ، فروٹ اور باتیں چلتی رہیں کوئی 3:30 بجے کے آس پاس سوئے کہ داؤد کو صبح جاب پر جانا تھا............ صبح داؤد تو ناشتہ کر کے چلا گیا اور ہم تیار ہو کر لاس اینجلس کے شاپنگ مال کی سیر کو نکل گئے اور بڑے بڑے سٹورز میں گھومتے اور محض ونڈو شاپنگ کرتے رہے کہ کوئی چیز 50، 60 ڈالرز سے کم کی نہیں جو زہرہ بھابھی کے نزدیک سستی اور ہر اُس پاکستانی کے لئے مہنگی جو ہر قیمت کو کم از کم 50 روپے میں ضرب دینے کا عادی ہوتا۔ ''دیکھو ناصر بھائی یہ شرٹ صرف 12 ڈالر کی ہے۔ اتنی سستی۔ میرا جواب ہوتا گویا عام سی یہ شرٹ صرف 600 کی ہے کتنی مہنگی.......... بہر حال شام کو 7:30 بجے وہاں سے نکلے وقت کا پتہ ہی نہ چلا سوچا رمضان گذارنے کے لئے اچھی جگہ ہے وہاں سے داؤد کی جاب پر آئے اور پھر اُسے پک کیا وہ اپنی گاڑی جاب پر ہی چھوڑ کر ہمارے ساتھ آ گیا وہاں سے انڈیا بازار گئے خوب چاٹ کھائی، رس ملائی کھائی، چھوٹے سموسے کھائے اور پھر داؤد کی جاب کی طرف واپس آئے بھابھی نے داؤد کی گاڑی لے لی اور ''گراسری'' لینے وہ سٹور چلی گئی کومل اُس کے ساتھ گئی اور میں داؤد دلکش روکش گھر آ گئے۔ آئے تو ریکارڈنگ مشین اون کی۔ چاچا مشتاق کی آواز سنائی دی۔ ناصر جب بھی گھر آؤ مجھے فون کرو فون کیا۔ لمبی بات ہوئی اور تب انہوں نے داؤد سے دو دن مانگے اور ائیر پاس بھیجا مگر عین نے غلطی سے پاس پر داؤد کا نام لکھ لیا تھا بعد ٹکٹ بھیجا اور یوں میں دو گھنٹے کی فلائٹ اڑتا ہوا فینکس پہنچ گیا جو ریاست ایری زونا کا کیپٹل ہے چاچا کوئی گھنٹہ سیر پہلے آئے تھے کہ جہاز ایک گھنٹہ ڈیلے تھا۔ گھر پہنچے شعار سے ملا۔ چاچی اختر سے ملا کچھ دیر بعد کھانا کھایا اور سو گئے۔ 5 بجے

جاگے تو سارہ آ چکی تھی۔ یہ ایک بہت ہی اداس گھر تھا۔ کیونکہ سہیل کے پاکستان سے نہ آسکنے کی وجہ سے ہر شخص متفکر رنجیدہ اور اداس تھا۔ شعار کو جب معلوم ہوا کہ چاچا ایئرپورٹ کسی کو لینے جا رہے تھے تو وہ بہت خوش ہوئی اور سارے گھر میں دوڑتی ہوئی چیخنے لگی..................آ ئی نو۔ مائی پاپا از کمنگ پھر ان دوسن رسیدہ لوگوں یعنی چاچا چاچی کی کیا حالت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ کہ میری اپنی حالت بھی یہ سن کر بے حد رنجیدہ ہوئی۔

وہ لوگ سارا دن شعار کی ناز برداریوں میں ہی لگے ہوتے ہیں سارہ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہے۔ 4 بجے لوٹتی ہے صبح 9 بجے سے قبل ہی چلی جاتی ہے۔ مجھے چاچا ''بیوٹس'' لے گئے یہ دو پہاڑوں کو کاٹ کر ایک تفریح گاہ بنائی گئی ہے جہاں سے پورا فینکس نظر آتا ہے۔ شام گہری ہوئی تو فینکس کی جلتی بجھتی بتیاں پریوں کے دیس کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ اچانک اوپر نظر گئی تو 20 یوں فانوس آسمان میں نظر آئے بالکل جیسے پشاور میں شادی بیاہ کے موقع پر ہوتے ہیں لیکن ان میں کچھ جب نیچے کی طرف آئے تو معلوم ہوا کہ یہ سب اُترنے اور چڑھنے والے جہاز ہیں۔ فینکس کا آسمان ایئر ٹریفک کے لحاظ سے بہت بزی تھا۔ خاصا خوبصورت منظر تھا کہ چاچا کے فون کی گھنٹی بجی۔ سارہ کہہ رہی تھی کہ عینِ اور روب آ چکے ہیں کھانا تیار ہے۔ آپ کا انتظار ہے چلے آئیں۔ کھانے پر عین سے اور روب سے ملا ایک بے حد خوبصورت اور ہیپی کپل ہے۔ عین بہت پیار سے گلے ملی کھانے پر ہنسی مذاق چلتا رہا۔ شعار عین کی گود سے اُترتی ہی نہ تھی معلوم ہوا دونوں کی ایک دوسرے میں جان ہے روب بھی شعار سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ یہ جان کر دُکھ ہوا کہ عین کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہے غالباً 7 سال شادی کے ہونے کو آئے۔ اس کی شکل اور بہت سی باتیں مونا سے ملتی ہیں۔ میں نے اُسے بتایا تو سارہ نے کہا بالکل حتیٰ کہ وہ سہیل کو بھی تمہاری طرح ہی تنگ کرتی ہے۔ سہیل کے ذکر سے پھر ذرا اداسی چھا گئی جسے میں نے ادھر اُدھر کی باتوں میں ختم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ چاچا مشتاق نے امریکہ کے بارے میں میرے تاثرات جو راستے میں پوچھے تھے روب کو بتائے اور کیپ کاڈ کی نظم کا بھی ذکر کیا۔ اُس رات دیر تک گپ شپ مذاق اور

Scanned with CamScanner

شاعری چلتی رہی۔ عین شعار کو اوپر سلانے لے گئی اور دو کہانیاں سننے کے بعد وہ سوئی تو وہ نیچے آئی یہی ضد تھی کہ عین ہی آج سلائے گی عین کو وہ لالہ کہتی ہے یہ خالہ کا متبادل ہے۔ جو وہ ادا نہیں کر سکتی تھی۔

بہر حال وہ سب لوگ پریشان اور سہیل کے آنے کی دعاؤں میں لگے ہوئے ہیں۔

دوسرے دن ہم (میں اور چاچا) سیڈونا گئے یہ جگہ گریٹ کینن کا آغاز ہے جو دنیا کے سات عجوبوں میں سے ایک ہے یعنی اس صحرا میں ایسے پہاڑ جن میں گذرتے وقت نے عجیب کٹاؤ پیدا کئے ہیں اور اس مٹیالے صحرا میں یہاں کی مٹی اور تراشے ہوئے پہاڑ سرخ رنگ کے ہیں یہاں بہت سی فلموں کی ریکارڈنگ بھی ہوتی رہتی ہے اور کوئی بتا رہا تھا کہ میکا ناز گولڈ کے بعض مناظر بھی یہاں فلمائے گئے ہیں۔ وہی عمر شریف اور گریگوری پیک کی مشہور فلم یہ فینکس سے 3 گھنٹے کی ڈرائیو پر ہے۔ واپسی پر فینکس یونیورسٹی دیکھی جہاں عین سہیل اور سارہ نے تعلیم حاصل کی ہے۔ گھر آئے چائے پی اور ارلی ڈنر لیتے ہوئے سارہ شعار کو چھوڑ کر چاچا چاچی مجھے ایئر پورٹ چھوڑنے آئے بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد وہ بھی دیر تک رہے۔ بہت باتیں ہوئی۔ فری کے بارے میں بھی چاچا فکرمند تھے مگر وہ خوش بھی تھے کہ اُس نے ایک صحیح فیصلہ کرلیا ہے............ داؤدا پنے تینوں بچوں کے ساتھ ایئر پورٹ پر منتظر تھا رات بہت ہو چکی تھی سیدھے دو گھنٹے کی ڈرائیور کے بعد گھر پہنچے بچیاں راستے میں ہی سو چکی تھیں دونوں جڑواں سارا دن کا کا کا کا کرتی رہتی ہیں۔ کوئی ایک بجے زہرہ بھابھی آئیں اور پھر دیر تک باتیں ہی باتیں۔ دوسرے دن داؤد نے چھٹی کی اور ہم ڈزنی لینڈ چلے گئے۔ پورا دن ایک عجب حیرانی میں گذارا۔ کیا عجیب وغریب جگہ ہے مڈ ویک کی وجہ سے رش زیادہ نہیں تھا اس لئے بہت سی رائیڈز آسانی سے لے لیں رات گئے گھر لوٹے ایک ہندوستانی فیملی کی ماں سے بچوں کو لیا بھابھی جاب پر تھیں اُس رات بھی دیر تک جاگتے رہے کہ دوسرے دن 12 بجے دوپہر میری واپسی تھی۔ داؤد ایئر پورٹ لایا اور ہاں یاد آیا کہ اتوار کو بھابھی مجھے اور بچوں کو لے کر معروف لگونا بیچ بھی لے گئی وہیں سمندر کنارے لنچ بھی کیا۔ روکش اور دلکش تو بھابی کے ساتھ ساحل پر

Scanned with CamScanner

ریت سے کھیلتی رہیں، البتہ میں اور کومل پیسیفک اوشن میں یہاں وہاں تیرتے نہاتے رہے۔
بہرحال اب اورنج کاؤنٹی کے جان وین ایئرپورٹ سے باسٹن کے لئے روانہ ہوا۔ پہلا پڑاؤ میناپلس تھا جہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اگلی فلائٹ 4 گھنٹے ڈیلے ہے۔فون کرکے عتیق صاحب کو بتایا وہ گھر سے نکلنے والے تھے سورک گئے اور پھر رات گئے باسٹن پہنچے اور کیپ کاڈ آتے آتے صبح کے چار بج چکے تھے۔اب یہاں ہوں اس طوفانی دورہ میں فینکس سے لاس اینجلس آتے ہوئے زبردست تھنڈرسٹارم میں ڈیڑھ گھنٹہ پرواز نے ذرا تنگ کیا باقی سفر خوشگوار رہا بات طویل ہوگئی نا۔ بور تو نہیں ہوئی نا۔ یا چھوڑ چھوڑ کر پڑھا۔بس اب تو امریکہ سے واپسی کے دن گن رہا ہوں۔جس سے بات کرو وہ یہی کہتا ہے کہ لوگ یہاں آنے کو ترستے ہیں اور تم جانے کے لئے بے تاب ہو۔ اب 13 اکتوبر کو تقریب ہے اُس کے بعد فلائیٹ ہے شاید 6 کو مگر وہاں تو 7 اکتوبر ہوگی جب میں روانہ ہوں گا آٹھ کو کراچی پھر نو یا دس اکتوبر کو پشاور انشاءاللہ پہنچوں گا۔

بس اب اجازت اپنا بہت خیال رکھو بس اب تھوڑے دنوں کی بات ہے......افراز......

جانی تم میری جان کیسے ہو؟۔ ذیشان بھئی تم کہاں ہو۔ایک خط میں نے اکوڑہ بھی لکھا تھا کیا پتہ ملا ہے کہ نہیں۔شام بھائی بہت بہت مبارک کہ قرآن پاک خیر سے ختم کرلیا ہے۔مگر یہ کیا کہ نمبر بہت اچھے نہیں آئے اور ہاں جانی کیا یہ سچ ہے کہ تمہارے نمبر اچھے آئے ہیں۔اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ باقی دوستوں کا کیا حال ہے۔رزلٹ کیسا رہا اُن کا؟ ٹیوشن کے لئے جاتے ہو؟ سر کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ سنی مگر چلو آ کر بتاؤں گا انشاءاللہ۔اچھا سب کو سلام۔انکل ریاض انکل زیب اور جواد بھائی کو بہت بہت سلام او کے خدا حافظ

ہاں جی سلام! کیہ حال اے! کیوں ہند کو پڑھنے اچ کوئی مسلہ ہوندے متے سوچیں کہ آہستہ آہستہ پڑھ سیں تا زیادہ وقت لگ جاسی تے تھوڑا جیا خط بھی لما لگ سیا۔ کیوں ٹھیک اے نا۔ کوئی اور نویں تازہ۔ دفتر اچ سب نوں میرا اسلام دینی ہونی ایں نا۔رخسانہ زاہدہ فوزیہ ثوبیہ تے شاہ جی فردوس میٹرو ناولٹی تصویر محل وغیرہ وغیرہ۔ ہاں ثوبیہ نوں کہہ کہ بہت دناں سی منے اُس نوں فون

نیں کیتا تا ہونڑ آرام اے۔ زاہدہ نے پانچیاں دا آرڈر دتے کہ نہیں اچھا امی نوں تے ادھر خالد، انجم، نسرین، سجیلہ، مشی، عمر، بوبی، سعدی تے کالونوں سلام تے پیار۔

☆..................☆..................☆

پیارے علی!

اسلام وعلیکم!

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ تو خوب مزے کر رہے ہوں گے۔ مجھے بہت زیادہ افسوس ہے کہ آپ نے فون کیا تھا۔ لیکن میں گھر میں نہیں تھی۔ جب میں گھر آئی تھی تو مجھے مونا نے فون کر کے کہا تھا کہ علی نے تمہارے لئے فون کیا تھا۔ آپ کو خوشی ہوگی کہ مجھے کالج میں داخلہ مل گیا ہے۔ بہت مشکلوں سے ملا ہے۔ گل اُس دن آئی تھیں۔ انہوں نے آپ کے خط سنائے تھے۔ سن کر اس طرح لگتا تھا جس طرح آپ ہمارے ساتھ ہی ہوں اور قصے سنائے جا رہے ہیں۔ آپ نے تو خط بہت اچھا لکھا تھا لیکن میں پتہ نہیں کس طرح خط لکھ رہی ہوں۔ بس اب آپ جلدی سے واپس آ جائیں۔ اتنے دن ہوگئے ہیں آپ کی آواز سنے ہوئے اور سنائیں کیسے دن گزر رہے ہیں۔ گل نے کہا تھا کہ ہفتے کو مشرق کے اخبار میں علی کی تصویر آئے گی تو میں نے بوبی کو کہا ہے کہ ہفتے کو اخبار لے کر آنا تا کہ ہم دیکھیں کہ علی کیسے لگ رہے ہیں۔ اچھے ہی لگ رہے ہوں گے۔

علی وہاں پر بہت سے تصویریں کھینچوائیں۔ مووی بھی بنائیں۔ تا کہ ہم بھی وہ جگہ دیکھ سکیں۔ خوب مزے کر رہے ہوں گے پتہ نہیں یہ خط آپ کو کب ملتا ہے۔ نو، دس دنوں میں تو مل جائے گا۔ اچھا چلیں آپ کا بہت سا وقت لے لیا ہے۔ گھر میں امی، پاپا، بوبی اور سعدی کی طرف سے سلام۔ ابھی میں یہ خط لکھ رہی تھی تو میں نے عمر سے کہا کہ علی کے گھر جاتے ہو اور اس نے اپنے مخصوص انداز میں منہ کھول کر کہا کہ نہیں۔

اچھا چلیں۔ خدا حافظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کی بیٹی وجیہہ کرن (کالو)

Scanned with CamScanner

رفعت جی سلام اور پیار لو۔

نیویارک کے اخبارات اردو ٹائمز اور نیویارک عوام میں چھپنے والی خبروں کے کچھ تراشے آپ کے لئے بھیج رہا ہوں۔

زمیں سے ایک رشتہ تو نہیں تھا
مگر تو آب و دانہ چاہتا ہے

حلقہ ارباب ذوق نیویارک کے سالانہ اجلاس میں ناصر علی سیّد کی پذیرائی

حلقہ ارباب ذوق نیویارک کا دوسرا سالانہ اجلاس جانے پہچانے شاعر افتخار نسیم کی صدارت میں ونیڈہام ہوٹل کے خوبصورت ہال میں منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی معروف شاعر، نقاد اور دانشور ناصر علی سیّد تھے جنہیں پاکستان سے بطور خاص اس اجلاس کیلیئے مدعو کیا گیا تھا۔

حلقہ ارباب ذوق نیویارک کے سرپرست اعلیٰ اور معروف شاعر صحافی اور دانشور جوہر میر نے اس اجلاس کو مرحوم ضمیر جعفری، فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی اور غلام محمد قاصر کے نام منسوب کرنے کا اعلان کیا۔

عتیق احمد صدیقی کی پی ٹی وی کے پروگرام، منیجر اور ایک عمدہ مقرر و دانشور ہیں نے پہلے حلقہ کے ادبی سفر پر بات کی اور جوہر میر نے چاروں شعراء کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کے بعد مشتاق صوفی نے فیض احمد فیض، نسیم احمد نے جوش ملیح آبادی، سید تقی عابدی نے ضمیر جعفری اور پاکستان کے مہمان شاعر ناصر علی سیّد نے ''بدلتی رتوں کا ایک مہذب گواہ'' کے عنوان سے مرحوم غلام محمد قاصر پر ایک جامع اور بھرپور مقالہ پیش کیا۔ جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس مقالہ کی خاص بات یہ بھی تھی کہ حاضرین محفل نے غزل کے اشعار کی طرح مقالہ کی کئی سطریں بار بار پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس کے بعد ایک محفل مشاعرہ کا ڈول ڈالا گیا جس میں ناصر علی سیّد، رفیق جان، حمیدہ معین رضوی، اشرف میاں، اشرف قریشی، واحد بخشی بھٹی، منوہر سنگھ، من موہن عالم، عزیز روشن، رندھیر سنگھ، یوسف رضا، رخسانہ سحر اور رانی نگندر پوری نے حصہ لیا اور حاضرین محفل

Scanned with CamScanner

نے شعراء کو بھرپور طریقے سے اُن کی عمدہ شاعری پرزبردست داد دی۔

نیویارک میں شوکت فہمی اور راشد صدیقی نے مرحوم قاصر کے حوالے سے ایک میموریل سوسائٹی بنائی ہے جنہوں نے ایک محفل شعروسخن اور عشائیہ کا اہتمام ''لانگ آئی لینڈ'' میں کیا تھا۔ اُس شام ناصر علی سیّد، شوکت فہمی، راشد صدیقی اور دوسرے احباب کے اشعار کے ساتھ ساتھ پاکستان اور نیویارک میں رفتارادب پر بات چیت بھی ہوئی جس میں خاص طور سے مشتاق صوفی اور ظفر یاب نے بھی حصہ لیا۔

اسی طرح کی ایک شام سخن بوسٹن میں مقیم اُردوزبان کے صاحب دیوان شاعر نوجوان انتخاب عالم کی رہائش گاہ پر بھی منعقد ہوئی جس میں خاطر غزنوی کے فرزند اکبر بہزاد ابراہیم نے بھی شرکت کی۔ لاس اینجلس میں داؤد حسین عابد جن کا ایک ناول حمیرا چھپ چکا ہے نے ناصر علی سیّد کو مدعو کیا اور وہاں سے مشتاق احمد (افسانہ نگار) کی دعوت پر فینکس ایری زونا کا ادبی دورہ بھی کیا۔ عتیق احمد صدیقی کے ساتھ طویل ادبی گفتگوان کے شہر ساؤتھ یارمتھ کیپ کاڈ بھی اس ادبی دورہ کا ایک حصہ تھی جبکہ عتیق احمد صدیقی نے حلقہ ارباب ذوق نیویارک کے پلیٹ فارم سے ایک بہت ہی خوبصورت شام کا انعقاد ناصر علی سیّد کے اعزاز میں کیا۔ اس بہت ہی پررونق شام کی صدارت کلر ایشیا ٹیلی وژن کے مالک جاوید اختر پاشا نے کی جبکہ معروف افسانہ نگار اور شاعر جوہر میر پی ٹی وی کے پی ایم عتیق احمد صدیقی معروف صحافی ظفر یاب پروفیسر مشتاق صوفی افسانہ نگار سمیت بہت سے دوست شریک تھے۔

☆..................☆..................☆

علی کے خط ایک ایک کر کے یاد آتے رہے اور میں سوچنے لگی کہ ان خطوں کی مدد سے میں نے امریکہ کی جو تصویر اپنے ذہن میں بنائی اب اتنے برسوں بعد اب اس میں کتنی تبدیلی آ چکی ہوگی۔ اس بیچ نائن الیون بھی گذر چکا ہے۔ خود علی کے لئے بھی یہ دنیا بہت بدل چکی ہوگی۔ نیو یارک سے علی کی بہت سی یادیں نیو یارک سے وابستہ ہیں ان میں سے بہت دکھی کرنے والی ایک یاد بہت ہی خوبصورت دل کے مالک اور شاعر افسانہ نگار اور زاویہ جیسا میگزین نکالنے والے جوہر میر کے حوالے سے بھی ہے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ علی نے بتایا کہ مزاح نگار شاعر ضمیر جعفری نیو یارک کو شہر جوہر میر کہا کرتے تھے۔ میری صرف ٹیلیفونک ملاقاتیں ہیں مگر جب علی واپس پاکستان آرہے تھے تو میرے لئے تحائف سے بھرا بیگ بھیجا تھا۔ میں ان ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ جہاز میں پائلٹ کی آواز گونجنے لگی کہ تھوڑی دیر بعد ہم واشنگٹن ایئرپورٹ پر اترنے والے ہیں سیٹ بلٹ باندھ لیجئے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ 16 گھنٹے میں ہم نے خشکی سے زیادہ سمندر کے اوپر سفر کیا۔ جہاز آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا اور میری دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ کیونکہ اب میرے پاؤں امریکہ کی زمین پر پڑنے والے تھے۔ اس ایئرپورٹ کی بھی تو اپنی ایک الگ ہی دنیا تھی۔ امریکہ امریکہ ہے اتنا بڑا اور خوبصورت ایئرپورٹ کہ کیا بتاؤں۔ یہاں پر بھی ہمارا ۱۸ گھنٹے کاٹے تھا۔ کیونکہ یہاں ہماری امریکہ میں انٹری ہو رہی تھی اس لئے ہم امیگریشن کے سائیڈ پر گئے لمبی قطاریں تھیں مگر بہت سی ونڈوز تھیں اس لئے کام جلی جلدی نبٹ رہا تھا۔ ہماری باری آئی تو ایک عجیب مشکل آن پڑی۔ خاتون آفیسر نے کاغذات دیکھے، پاسپورٹ دیکھے ویزہ سٹیمپ دیکھی، فنگر امپریشن ہوئے تصویریں بنائی گئیں اور اس کے بعد امریکہ آنے کی وجہ پوچھی گئی۔ علی نے بتایا کہ ان کی کتاب کی اوپننگ سیریمنی ہے۔ پوچھا گیا کون سا ادارہ یا تنظیم کر رہی ہے۔ بتایا کہ حلقہ ارباب ذوق نیو یارک کرا رہا ہے پوچھا گیا انہوں نے کوئی لیٹر تو بھیجا ہوگا۔ علی نے کہا جی

ہاں اور اسی بنیاد پر تو ویزہ لگا ہے۔ کہنے لگی دکھاؤ۔ اب جو ہم نے سارے کاغذات دیکھے تو وہ لیٹر ندارد۔ کیری آن کا ایک ایک خانہ، لیپ ٹاپ کا بیگ میں نے اپنا پرس سب کچھ دیکھا مگر لیٹر نہ ملا۔ اب ہمیں ایک اور جگہ بھیج کر انتظار کا کہا گیا۔ وہاں پہلے ہی سے کوئی آٹھ دس مسافر موجود تھے۔ کچھ دیر بعد وہاں بھی انٹرویو کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں نے علی سے پوچھا، لاسٹ ٹائم تو آپ کی پروفیسری کا سن کر چھوڑا دیا گیا تھا اب کیا ہوگا۔ کہنے لگے کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہوگا۔ باری آنے پر علی نے کہا کہ اگر آپ الاؤ کریں تو میں نیٹ پر اپنی ای میل آئی ڈی کھول کر وہ لیٹر نکال دوں۔ نیا آفیسر جو ایک جواں سال امریکن تھا۔ نے مسکرا کر کہا نو پرابلم اور انٹری سٹیمپ لگا دی۔ اس سے قبل شام کے پاسپورٹ پر بھی ساتھ کی کھڑکی سے ایک خاتون نے سٹیمپ لگا دی ہمیں اس کی فکر تھی کہ نوجوانوں کے لئے بڑے مسائل ہوتے ہیں۔ مجھے انتظار کرنا پڑا۔ بالآخر میرا کام بھی ہوگیا۔ مجھے پتہ نہیں تھا میں نے کہا ویزہ تو لگا ہے پھر اتنی پوچھ گاچھ کیوں ہوتی ہے۔ اچھا ہے میں نے یہ سوال پہلے نہیں کیا تھا۔ کیونکہ علی نے بتایا کہ ویزہ کا مطلب قطعاً امریکہ میں داخل ہونا نہیں۔ کئی لوگ ائیر پورٹ سے ہی واپس بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ لیٹر گھر رہ جانے کے باوجود کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ کیری آن سنبھالتے ہوئے ہم ایئر پورٹ سے باہر آ گئے۔ وہاں سے ہم نے ٹیکسی لی اور واشنگٹن کی سیر کو نکل پڑے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ اتنا بڑا شہر نہیں ہے، حیرانی ہوئی کہ کیپٹل کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے، علی نے ڈرائیور سے پوچھا تو اس نے کہا کہ نہیں ایسا بھی نہیں دراصل یہ بات ایک تو اس لئے کہی جاتی ہے کہ واشنگٹن کو آنے کے لئے دو ائیر پورٹ استعمال ہوتے ہیں اور دونوں ورجینیا میں ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس شہر کا اپنا ائیر پورٹ ہی نہ ہو وہ آخر کتنا بڑا ہوگا۔ اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ درختوں اور باغات سے گھرا ہوا یہ شہر دو چار گھنٹوں میں پورا دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کیپٹل سے ذرا آگے کا شہر ہے۔ کیونکہ چھے لاکھ نفوس کا یہ میٹروپولیٹن شہر کیپٹل سیاحوں کے لئے بلا کی کشش رکھتا ہے۔ کم وقت میں اس شہر کی سیر تو نہیں البتہ زیارت کی جا سکتی ہے۔ تو ہم کہاں جا رہے ہیں میں آپ کو مغربی ونگ کی طرف

Scanned with CamScanner

لے جارہا ہوں جہاں آپ وائیٹ ہاؤس اور ابراہم لنکن کی یادگار کا لطف لے سکیں گے۔۔اچانک علی نے اس پوچھا آپ کب سے یہاں ہیں اس نے کہا مجھے 15 سال ہو گئے ہیں اور۔کہیں اور یہ شہر جانے ہی نہیں دیتا۔حالانکہ یہاں آنے سے پیشتر میں نے دو تین سٹیٹس میں تھوڑا تھوڑا وقت گذارا ہے۔آپ کا تعلق کہاں سے کس ملک سے ہے؟ کہنے لگا تعلق تو افغانستان سے ہے مگر باپ دادا پاکستان آ گئے تھے اور پھر ہم پشاور اور مردان میں رہے ہیں۔''ارے۔۔''ہم تینوں کے منہ سے بیک وقت نکلا تو اس نے بھی ہم سے پوچھا۔اب کے علی نے اس کو پشتو میں جواب دیا تو بہت خوش ہوا،خوشی تو ہمیں بھی تھا کہ اجنبی ملک میں ملنے والا پہلا ہی شخص اپنا نکلا۔پھر اس نے ہمیں تھوڑی دیر میں بہت سیر کرائی۔ہم نے سڑک سے ہی وائیٹ ہاؤس دیکھا۔کہ سیکیورٹی کی وجہ سے قریب سے دیکھنے پر کچھ ہی دن قبل پابندی لگا دی گئی تھی البتہ ابراہم لنکن کی یادگار کو جی بھر کے دیکھا بہت بڑا ہجوم تھا،بہت سی تصویریں بنائیں،سیڑھیوں میں بیٹھ کر نرم دھوپ کا لطف لیا،مختلف ملکوں اور تہذیبوں کے سیاحوں کا جوش وخروش دیکھنے لائق تھا۔خوب انجوائے کیا۔پھر واپس ایئرپورٹ کی طرف آئے۔ٹیکسی ڈرائیور(صادق افغان) نے ہمیں راستے میں واشنگٹن کے مختلف قابل دید مقامات کی سیر کروائی۔ زما میلمانہ شئ (میرے مہمان بن جائیں)[مطلب کرایہ مت دیں]مگر ہم نے شکریہ ادا کر کے میٹر کے مطابق ایک سو بیس ڈالر ادا کئے جو بہت کم تھے (پاکستانی کرنسی میں شاید بہت زیادہ مگر علی نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ شاپنگ وغیرہ کرتے ہوئے کبھی ڈالر کو پاکستانی کرنسی میں کنورٹ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ شاپنگ مال سے خالی ہاتھ اور بھوکے پیٹ واپس آؤ گے۔خیر ایئرپورٹ آنے کے بعد ہم پھر ایک Domestic Flight کے ذریعے ایک اور امریکی شہر شارلٹ (نارتھ کیرولینا) پہنچے۔وہاں چیک ان کے فوراً بعد ہمیں ایک اور Domestic Flight کے ذریعے اپنی منزلِ مقصود Denver ایئرپورٹ جانا تھا۔ مجھے وہاں جانے کی تو بہت جلدی تھی۔کیونکہ وہاں پر میرا شہزادہ میرا انتظار کر رہا تھا۔مگر ہمارے پاس بہت کم وقت تھا۔ایک جہاز سے اترنے کے بعد دوسرے کی طرف جانے سے پہلے ہر بار

Scanned with CamScanner

سیکورٹی کی چیکنگ سے گذرنا ایک بور سا کام تھا مگر ضروری بھی تھا اور شارلٹ میں ان مراحل سے گذرنے کے بعد شام تو بھاگ کر متعلقہ ٹرمینل تک جا پہنچا تا کہ بورڈنگ کارڈ لے سکے۔ اور وہ ڈمینل اس ٹرمینل سے جہاں سے ہم انٹر ہوئے تھے اور سیکیورٹی ایریا سے بہت دور تھا، ہم دونوں بھی کم وبیش بھاگ ہی رہے تھے کہ علی نے ایک گاڑی کو اشارہ کیا ائیر پورٹس کے اندر ایسی گاڑیاں گھوتی رہتی ہیں اور اسے ٹرمینل کا بتایا اس نے بروقت پہنچا دیا ورنہ فاصلہ اتنا تھا کہ امکان یہی تھا کہ ہم فلائیٹ مس کر لیتے۔ بھاگ بھاگ کر ہی جہاز میں بیٹھے، مگر بیٹھنے کے بعد دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی ویسے تو امریکہ جانا کبھی میرا خواب نہیں رہا تھا لیکن افراز کی شادی کے بعد اور امریکہ روانگی کے بعد اس سے ملنے کی خواہش کی وجہ سے اب امریکہ جانا میرا سب سے اہم خواب بن گیا تھا اور اب ڈینور ایئر پورٹ پر مجھے میرے اُس خواب کی تعبیر ملنے والی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ علی نے پوچھا ''میرا کیمرہ کس کے پاس ہے؟ شام نے اور میں نے کہا کہ واشنگٹن میں آپ ہی پکچرز لے رہے تھے، انہوں نے ایک بار اپنی جیبیں اور کیری آن کو چیک کیا۔ اور پھر کہا۔ اوہ نو! میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ سیکورٹی ایریا میں اپنا لیپ ٹاپ اور دیگر سامان تو سکینر سے گذارنے کے لئے ٹرے میں رکھ لیا تھا مگر کیمرہ جیب میں رہ گیا تھا اور جب واک تھرو گیٹ سے گذرا تو سیکیورٹی آفیسر نے روک لیا کہ جیب میں کیا ہے، دیکھا تو کیمرہ تھا کہنے لگا کہ واپس جا کر کیمرہ سکینر سے گذارو میں نے واپس جا کر ٹرے میں کیمرہ رکھا تو اتنی دیر میں میرا سامان سکینر سے کلئیر ہو کر پٹی پر آگے نکل گیا تھا میں جلدی سے اس کی طرف بھاگا اور پھر کیمرہ یاد نہیں رہا وہاں سینکڑوں لوگ ہوتے ہیں شاید ہزاروں ایک ہنگامہ ہوتا ہے کیا کچھ یاد رکھا جائے۔ بس کیمرہ وہیں ٹرے میں رہ گیا۔ دکھ اس بات کا تھا کہ ایک تو اس میں دبئی اور واشنگٹن کی پکچرز تھیں اور پھر فیملی کی ان گنت تصاویر بھی تھیں، بہت دل خفا ہوا مگر اب کیا ہوسکتا تھا پائلٹ کی آواز جب بھی آتی غور سے سنتے کہ پہنچنے کا کب کہے گا۔ آخر کار تقریباً چار گھنٹے کی پرواز کے بعد اناؤنسمنٹ ہوئی کہ ہم ڈینور ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے والے ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے دل کی گہرائیوں سے زمینوں اور آسمانوں کے

Scanned with CamScanner

خالق و مالک کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر کھڑکی کا شٹر ہٹا کر ڈینور کا ہوائی منظر دیکھا مسکرا کر اسے سلام کیا اور جہاز کے پہیوں نے زمین کو چھوا تو دل کی حالت بیان نہیں کر سکتی سامنے تمام تر رعنائیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ دلہن کی طرح سجا ہوا ڈینور کا ائیر پورٹ تھا اور میرا دل آنکھوں کے دریچہ تک آ کر افراز کو ڈھونڈنے لگا۔ جب لاؤنج سے ہو کر سامان لینے کے ایریا کا پہلا ہی موڑ مڑے تو میری پیاسی آنکھوں نے بہت دور ہی سے افراز (سنی) کو دیکھ لیا ساتھ ہی میری بیٹی کومل، داؤد بھائی زہرہ بھابھی، دلکش اور روکش دور ہی سے نظر آ گئے۔ پوری فیملی ہمیں ایئر پورٹ پر لینے آئے ہوئے تھے۔ کتنی ہی دیر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔ سنی کو بار بار گلے سے لگایا آنکھوں کو جھپکا کر کہتی کیا یہ خواب نہ ہو۔ مگر دل میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی کیونکہ میرا جگر کا ٹکڑا میرے سامنے کھڑا تھا۔ ملنے ملانے کے بعد سامان ڈھونڈنے کی باری آئی۔ کیا ترتیب تھی کیونکہ ہمارا سامان تو پشاور ایئر پورٹ پر ہی Lugages کے ساتھ چلا گیا تھا اس نے بعد ہم نے مختلف شہروں تک مختلف جہازوں میں سفر کیا لیکن ہمیں سامان کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے بے فکر ہو جائیں، جہاں آپ نے جانا ہے وہاں آپ کو مل جائے گا۔ اس لئے ہم سامان لینے کی گھومتی پٹی کی طرف آئے، جہاں سینکڑوں ٹرنک، بریف کیس، کیری آن اور نہ جانے کیا کیا سامان تھا مگر کومل بٹیا جس نے بطور خاص ہمیں فون کر کے کہا تھا کہ اپنے بریف کیسز کے ہینڈل میں نشانی کے لئے ایک ہی رنگ کا ربن وغیرہ باندھ لینا، ورنہ سارے اٹاچی اور بریف کیس ایک طرح کے ہوتے ہیں ڈھونڈنے میں پریشانی ہو گی۔ اور واقعی اسی احتیاط کی وجہ سے آسانی کے ساتھ ہم نے اپنا سامان وصول کر لیا۔ اس کے بعد ہم ایئر پورٹ سے باہر آئے گاڑیوں میں سامان رکھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن سارے راستہ مجھے یہ سب ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ چاندنی رات میں خوبصورت کشادہ سڑکیں، خوبصورت گھر، قطار اندر قطار لش لش کرتی گاڑیاں دیکھتے دیکھتے ہم گھر پہنچ گئے وہاں ایک بار پھر سنی کو گلے لگایا پیار کیا اس کے بعد ہم تھوڑا فریش ہوئے تھوڑی گپ شپ لگی اور جلد ہی سونے چلے گئے، کیونکہ کچھ ہی گھنٹوں کے بعد سحری کے لئے اٹھنا تھا۔ یہ امریکہ میں اپنے

شہزادہ کے ساتھ پہلی سحری تھی۔ وبصوم غدنویت من شھر رمضان

سحری کے لئے اٹھے، صبح کی نماز پڑھی اور سو گئے صبح اٹھنے کے بعد سارا دن گپ شپ لگتی رہی کچھ پاکستان کی باتیں رشتہ داروں کی باتیں کچھ کچھ وہاں کی باتیں اسطرح تقریباً سارا دن باتوں ہی میں گزر گیا اور افطاری کی تیاری شروع ہوگئی، افطاری کے بعد نماز پڑھی کچھ دیر تک، باتیں کیں اور پھر تراویح کے لئے سب گھر والوں نے مسجد کا رخ کیا عرب ممالک کی طرح Denver کیا پورے امریکہ میں عورتیں بھی مسجد میں جا کر باجماعت نمازیں ادا کرتی ہیں اور میرے لئے یہ سب ایک نیا مگر انتہائی دل خوش کن اور ایک پر جوش تجربہ تھا۔ باجماعت تراویح اور دیگر نمازوں کی طرح نمازِ عید بھی میں نے زندگی میں پہلی بار عید گاہ میں باجماعت ہی پڑھی وہاں لوگوں سے عید ملے بہت اچھا لگا اس کے بعد ہم گھر آ گئے کیوں کہ یہاں کی یا کم از کم داؤد بھائی کی فیملی کی روایت یہی ہے کہ عید کے دن کسی ایک گھر میں ناشتہ سے لے کر رات کے کھانے تک سب لوگ اکھٹے رہتے ہیں اور عید کی خوشیاں ملکر مناتے ہیں سو اُس دن یہ اہتمام داؤد بھائی کے گھر میں تھا عید کی نماز کے بعد دیر تک عید گاہ میں رہے زہرہ بھابی کی بہت سی جاننے والی ملیں داؤد بھائی کے چھوٹے بھائی عامر جو کہ بالکل اُن کی بیٹے کی طرح ہیں وہ بھی وہیں ہیں ان سے ملے شازیہ بھابی ملیں بہت ہنس مکھ اور پیار کرنے والی بھابی ہیں۔ عید گاہ سے جب ہم گھر پہنچے تو اس کے بعد مہمان آنا شروع ہو گئے سب سے پہلے عامر اور شازیہ بھابھی بچوں کے ساتھ آئے اُن سے ملاقات کی اُس کے بعد باقی Families بھی آئیں اور وہ دن ہم سب کے ساتھ مل کر منایا دن بھر خوب دھوم دھڑکا اور موج مستی رہی۔ ایک دوسرے کے تحفہ تحائف دیئے گئے بہت اچھا لگا اور بچوں نے تو مل کر خوب خوب Enjoy کیا، پاکستان میں تم ہم عید تین دن تک مناتے ہیں لیکن امریکہ میں صرف ایک ہی دن کے لئے یہ سارا ہنگامہ مخصوص ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسرے ہی دن تو سب نے کام پر جانا ہوتا ہے بچوں نے اسکول جانا ہوتا ہے سو ایسا ہی ہوا کہ ہم گھر پر اور باقی گھر کے لوگ اپنے اپنے کاموں پر ہم سارا دن گھر پر رہتے ہیں البتہ جس دن چھٹی ہوتی ہم کہیں نہ

کہیں کسی نہ کسی Shopping Mall کی سیر کو نکل جاتے اور پھر جب Saturday اور سنڈے چھٹی ہوتی تو ہم جمعہ ہی کو کسی نہ کسی پہاڑی علاقہ جانے کے لئے پروگرام بنا لیتے ہفتہ اتوار کے علاوہ وہ بھی سنی کو جس دن جلدی چھٹی ہوتی وہ مجھے فون پر بتا دیتا کہ Mom آپ لوگ تیار رہیں میں آؤں گا تو فلاں جگہ جائینگے ہمارا پہلا اور خوبصورت ٹرپ ڈلن جھیل کی طرف جانا تھا یہ ایک خوبصورت اتوار تھی جب ہم جھیل ڈلن کی سیر کو روانہ ہوئے۔ داؤد کی بھی علی کی طرح سیر سپاٹے کی عادت ہے۔ علی نے بتایا کہ امریکہ جانے سے قبل ہم نے مری، ایبٹ آباد اور دوسرے شہروں کی بہت سیر کی تھی خصوصاً ادبی تقریبات اور مشاعروں کے لئے اکٹھے جاتے رہے ہیں۔ اور تو اور داؤد بھائی اور علی دونوں نے اپنا پہلا ہوائی سفر (پشاور سے اسلام آباد) بھی اکٹھا کیا جب وہ داؤد کے کزن سیف الرحمٰن کی بیگم کو اسلام آباد سے تہران کی فلائیٹ میں چھوڑنے گئے تھے۔ افراز جب امریکہ پہنچا تھا تو بھی انہوں نے سب سے پہلے ڈزنی ورڈ کا ٹرپ ارینج کیا تھا۔ اب بھی ہم جھیل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ سارا راستہ بے پناہ خوبصورت تھا۔ ویسے تو سارا کولوراڈو اپنی قدرتی حسن کی وجہ سے پورے امریکہ میں مشہور ہے خصوصاً سردیوں میں دنیا بھر سیاح ادھر کا رخ کرتے ہیں کیونکہ یہاں دو درجن سے بھی زیادہ Ski resorts اس علاقہ کو اس کھیل سے دلچسپی رکھنے والوں کی جنت بنا دیتے ہیں۔ اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ "سردیوں کی چھٹیاں صحیح معنوں میں انجوائے کرنے کے لئے کولوراڈو کا کوئی متبادل نہیں ہے۔" تو یہ بلکل درست کہا جاتا ہے۔ افراز اور کومل کی ان معلومات کی روشنی میں جھیل ڈلن کا راستہ اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔ راستہ میں ایک جگہ رک کر ایک گفٹ شاپ میں اس علاقے سے متعلق تاریخی اہمیت کے حامل کچھ نوادرات دیکھے۔ ڈرنکس لئے، تصویریں بنائیں، ہنسی مذاق ہوا اور پھر آگے روانہ ہوئے۔ اب ہماری منزل جھل ڈلن تھی۔ کوئی تیس چالیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد لیک ڈلن کا جادوئی نظارہ سامنے تھا۔ جس کے بارے سنا تو بہت تھا مگر دیکھنے اور سننے میں کتنا فرق ہے وہ اس جھیل کی خوبصورتی دیکھ کر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ ایک بار افراز نے کہا تھا کہ جھیل کے صاف اور شفاف پانی

Scanned with CamScanner

میں پورا آسمان ایسے نظر آتا ہے جیسے یہ عکس نہ ہو۔ اصل ہو اور ہم کہیں اوپر سے آسمان کو دیکھ رہے ہوں۔ اتوار کی وجہ سے بہت بھیڑ تھی۔ بہت لطف آیا۔ جھیل کے اطراف اور قرب و جوار میں سارا دن گذارا اور سرشار ہوئے، لنچ ایک انڈین ریستوران میں کیا۔ جس کا ذائقہ آج بھی یاد ہے۔ واپس ڈینور آنے کے بعد بھی کئی دن تک وہ نظارے خواب میں تنگ کرتے رہے۔ اس دن تو ہم رات گئے لوٹ آئے تھے مگر یہی سنتی رہی کہ یہاں رات گذارنے کا اپنا مزہ ہے اس لئے ایک بار پھر افراز اور کومل نے پروگرام بنایا اور ہم پہنچ گئے ایسپن سنومیس۔ وہاں کے ایک خوبصورت condo کی افراز نے بکنگ کرائی تھی۔ condo دراصل ہوٹل کا ایسا متبادل ہے۔ جس میں گھر کی سی ہر سہولت میسر ہوتی ہے۔ نظاروں کی طرف کی گیلری، ویل فرنشڈ کچن، تین سے چار بیڈ رومز، اٹیچڈ باتھ، خوبصورت لاؤنج اور سہولت کی ہر چیز اور کھانے پینے کا سامان ان پہاڑی علاقوں میں یہ کونڈو بہت مقبول ہیں۔ ایسپن سنومیس بہت ہی مسحور کن علاقہ ہے۔ سارا سال امریکہ کے اپنے سیلانی لوگ اس علاقہ کی خوبصورتی کی سیر کو آتے رہتے ہیں۔ وہاں کے گذارے ہوئے دن دیر تک خوش اور سکھی رکھتے ہیں۔ کبھی اکیلے بیٹھ امریکہ کو یاد کرتی ہوں تو ڈینور کی خوبصورتی دل میں ایک ٹھنڈی سی ڈال لیتی ہے۔ ڈینور اے مائیل ہائی سٹی کہلاتا ہے۔ اروڑا ہو یا ڈاؤن ٹاؤن یا پھر یونیوسٹی یا کوئی شاپنگ مال اپنے اپنے طور پر اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ویک اینڈ پر ماؤنٹین کی طرف چلے جاتے یا کسی قریبی شہر یا ٹاؤن کی طرف نکل جاتے میرے شہزادے اور کومل شہزادی اور داؤد بھائی نے ہمیں بہت زیادہ سیر کروائی عید کے فوراً بعد پاکستانی کمیونٹی نے 14 اگست اور عید ملن کا اکٹھا پروگرام ترتیب دیا تھا میں زہرہ بھابھی، کومل اور روکش اور دل کش عید ملن پارٹی پر چلے گئے اور سنی، علی، داؤد بھائی شام اور کومل کے چاچو عامر فلم دیکھنے چلے گئے وہاں انڈین اور پاکستانی فیملز سے مل کر ہم نے خوب انجوائے کیا۔ کچھ فوڈ کورٹ میں کھانا پینا سٹال سٹال گھوم کر شاپنگ کی، خصوصاً بہت سارے پاکستانی فیملیز سے ملنا بہت اچھا تھا ، پروگرام کو خوب انجوائے کیا میرے انکل چاچا مشتاق احمد جو کہ ایری زونا میں رہتے ہیں اُن کو

جب ہمارے Denver آنے کا پتہ چلا تو روزانہ اُن کا فون آجاتا کہ ہاں بھئی کب میرے پاس آرہے ہو تو آخر اُن کے پرزور اصرار پر ہم تین چار دن کے لئے ایری زونا کے لئے تیار ہو گئے

افراز نے آن لائن ٹکٹ کا انتظام کر دیا تھا۔ اُس صبح میں 4 بجے ہی جاگ گئی تھی کہ افراز نے کہا تھا کہ مما جی ہم ساڑھے پانچ بجے صبح گھر سے نکل پڑیں گے کیوں کہ فلائٹ صبح آٹھ بجے تھی لیکن دو گھنٹے پہلے پہنچنا پڑتا ہے اس لئے میں صبح چار بجے اُٹھ گئی تیار ہو گئی نماز فجر ادا کی شام بھی تیار ہو چکا تھا علی بھی تیار ہوئے اور نماز پڑھی اور تقریباً سوا پانچ بجے ہم اپنے کمرے سے اوپر ڈرائنگ روم آ گئے جانی بھی تیار تھا۔ کومل بھی جاگ رہی تھی داؤد بھائی نماز پڑھ رہے تھے ہم سب تیار کھڑے تھے کہ اُن کو خدا حافظ کہیں۔ زہرہ بھابھی بھی اوپر سے آ گئی سب کو خدا حافظ کہا اور ہم جانی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ایئر پورٹ آ گئے Parking Lot میں گاڑی کھڑی کر کے ہم مختلف اسکیلیٹر ز سے ہوتے ہوئے ایک کاؤنٹر پر آ گئے کیوں کہ ہم نے ابھی بورڈ نگ کارڈ وغیرہ لینے تھے جو جانی نے ائیر پورٹ پر ہی آن لائن کمپیوٹر سے نکال دیئے جس کے بعد ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں سے میزبان اور مسافر الگ ہو جاتے ہیں افراز نے کہا کہ اب اس کے بعد آگے آپ لوگ خود جائیں گے اور میرا شہزادہ ہمیں خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ اللہ اُسے سلامت رکھے۔ (آمین)۔ اس کے بعد مختلف راہ داریوں اور خودکار سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے ہم لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں سے کچھ دیر کے بعد ہم نے فرنیٹر ایئر ویز سے فینکس کے لئے روانہ ہونا ہے جہاں میرے انکل ہماری راہ دیکھ رہے تھے اور میری ایکسائٹمنٹ یہ تھی کہ میں زندگی میں پہلی بار اپنے بیٹے اور شریک سفر کے ساتھ اپنے چچا کے گھر جا رہی تھی آپ بھی کہیں گے کہ پہلی بار کیوں؟ تو اس لئے کہ جب میں پیدا ہوئی تو اُس کے کچھ ہی عرصے کے بعد میرے انکل تعلیم حاصل کرنے کے لئے کراچی چلے گئے وہاں سے انہوں نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ میرے انکل کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اُس ٹیم میں شامل ہے جس ٹیم کے انجینئرز نے کراچی میں پاکستان کے پہلے ٹی وی سنٹر کی تعمیر میں حصہ لیا اور پروگرام آن ایئر کئے۔ انہوں نے کراچی میں ہی شادی کی جس کے بعد

پہلے وہ لندن اور پھر لندن سے امریکہ آ گئے۔اس لئے بچپن میں جو بچے چچاؤں کے گھر جاتے ہیں اُس سے ہم سب محروم رہے۔

خیر مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے صبح 4 بجے ہم جہاز میں بیٹھ گئے۔اپنی اپنی سیٹ سنبھالی ہماری سیٹ الگ الگ Row میں تھیں مجھے کھڑکی سے ایک سیٹ اِدھر جگہ ملی شام بھی ساتھ تھا۔علی کو ایک اور row میں سیٹ ملی تھی۔ جہاز کی روانگی سے قبل اچانک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔شام اور میں نے مڑ کر دیکھا کچھ بھی نہ تھا بعد میں علی نے بتایا۔کہ فرنٹیئر ایر ویز کے ہر طیارہ پر کسی ایک جانور کی تصویر ہوتی ہے جیسے بلی، کتا، بھالو وغیرہ اور جس طیارہ پر جس بھی جانور کی پکچر ہو جہاز روانہ ہونے سے پہلے اس جانور کی آواز سناتا ہے یہ جہاز کی اڑان بھرنے کا اعلان ہوتا ہے۔جیسے ریل گاڑی کا انجن سٹیشن چھوڑتے وقت سیٹی بجاتا ہے۔شام (ابتسام) کو یہ سن کر عجیب بھی لگا اور غصہ بھی آیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو سفر کا آغاز جانوروں کی آوازوں سے کرتے ہیں۔بہر حال جہاز اب ٹیک آف کر چکا تھا۔میری کھڑکی سے باہر ایک دفعہ نظر پڑی تو باہر برف کی ایک دبیز چادر نظر آئی میں نے شام سے پوچھا کہ باہر جو نظر آ رہی ہے وہ برف ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے بھی لگتا ہے لیکن ساتھ بیٹھے ہوئے ساتھی نے کہا کہ نہیں جی یہ تو بادل ہیں اور ہم اُن سے بھی بہت اوپر اُڑ رہے ہیں۔

جب جہاز نے Taxi شروع کیا تو چاچا جی کے بارے میں سوچتے سوچتے میں بچپن میں پہنچ گئی جہاں میں اپنے امی ابو کے ساتھ رہتی ہوں پرانی یادیں تازہ ہو رہی ہیں میرے ابو اکثر پرانی باتیں ہمارے ساتھ شیئر کرتے تھے اپنی باتیں اپنے بھائیوں کی باتیں بہنوں کی باتیں کیوں کہ میرے ابو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اُن کا اپنے تینوں بھائیوں سے بہت پیار تھا وہ خود تو زیادہ پڑھے لکھے تو نہیں تھے لیکن وہ اپنے بھائیوں کو بہت زیادہ پڑھنا چاہتے تھے۔ دادا ابو تو چچاؤں کے بڑا ہونے سے پہلے فوت ہو چکے تھے اور دادی بے چاری تو اِس وقت فوت ہو گئی تھی جب میرے چچا 8/10 سال کے رہے ہوں گے۔اس لئے ان کو پالنے کے لئے ہماری بڑی پھپھو

Scanned with CamScanner

نے ماں کا کردار ادا کیا حالانکہ وہ خود اُس وقت شادی شدہ تھی لیکن انہوں نے یہ قربانی دی دوسری طرف میرے ابو کو اپنے بھائیوں سے بہت پیار تھا اسلئے ہمارے ابو نے ان کے لئے باپ کا کردار ادا کیا اور کچھ اُن کی اپنی محنت۔ پشاور اسلامیہ کالج سے پڑھنے کے بعد میرے چچا مشتاق احمد کراچی چلے گئے وہاں پڑھائی شروع کی اور خیر سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور پھر وہی شادی کی اور شادی کے بعد وہ لندن اور لندن سے امریکہ چلے گئے وہی پر وہ اپنی انجینئرنگ کے جوہر دکھاتے رہے۔ میرے ابو اُن کی کامیابیوں کے لئے خود کام کرتے رہے اور ان کو سپورٹ کرتے رہے ک اور جب وہ کامیاب ہو گئے تو پھر ان کے آنے کا انتظار کرتے رہے وہ امریکہ پہنچ گئے اُس زمانے میں خط ہی ایک ذریعہ تھا خط سے تو آدھی ملاقات ہوتی ہے لیکن اُن کے خط ایسے ہوتے کہ بس اپنی خیریت اور ساتھ ہی یہ کہ یہاں ہم اتنے مصروف ہیں کہ خط لکھنے کا ٹائم نہیں ملتا اور ہم یہ سوچتے کہ یہ کیسا ملک ہے جس میں لوگوں کو خط لکھنے کا بھی ٹائم نہیں ملتا ان کا ایک ایک خط کئی کئی قسطوں میں ہوتا۔ پہلی بار وہ اتنے طویل عرصے کے بعد آئے کہ میں میٹرک میں تھی اور میں نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ بعد میں کبھی چار پانچ سال کے بعد ایک آدھ چکر لگا لیتے جب اُن کی بڑی بیٹی عین نے سکول سے نکل کر کالج جوائن کیا کیا تو اُن کی خواہش تھی کہ میری بیٹی خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ لے لے۔ تا کہ میں اپنی مٹی کا قرض چکا سکوں لیکن ایسا نہ ہو سکا اب تو خیر سے اُن کی بیٹی نے امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے لی وہی پر وہ اپنی جاب کر رہی ہے دوسری بیٹی خیر سے پروفیسر ہے۔ میری دو ہی چچازاد بہنیں ہیں۔ عین اور سارا۔

تو میں بات کر رہی تھی اپنے ابو کی جن کو اپنے بھائیوں سے بہت پیار تھا جنہیں باپ بن کر کامیابی کی دعائیں دی تھیں اور اپنی بساط سے بڑھ کر سپورٹ کیا تھا۔ ان کے پاکستان اور پشاور آنے کا انتظار کرتے کرتے بلآخر جب وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے پھر اُس وقت ان کو کندھا دینے والا کوئی بھائی نہیں تھا۔ (اللہ میرے ابو کو جنت الفردوس میں جگہ دیں آمین)

میرے ابو کی وفات بھی ہمارے لئے ایک سانحہ تھی جس کو ہم ابھی تک نہیں بھولے بلکہ ابھی تک

یقین نہیں آتا وہ ہمارے درمیان موجود نہیں شام ہوتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ ابھی سیڑھیاں چڑھ کر آجائے گے ہاں تو ایسے ہوا کہ میرے پھوپھی زاد کی شادی تھی اور وہ شادی تقریباً ہمارے ہی گھر میں ہو رہی تھی کیونکہ اس زمانے میں لوگ اپنے ہی محلّہ میں یا قریب کے محلے میں کسی کا گھر بڑا ہوتا تو شادی کے لئے لے لیتے اُس وقت شادی ہال وغیرہ نہیں تھے۔ دوسری بات یہ کہ میرے کزن جن کی شادی ہو رہی تھی ان کے ابو نہیں تھے تو میرے ابو یعنی میرے کزن کے ماموں ہی اُن کے لئے باپ کی جگہ تھے تو انہوں نے ہی سارے کام سنبھالے ہوئے تھے ہم ان کے سامنے ہی موج مستی کرتے ہوئے ساری کزنز مہندی پر جانے کی تیاری کر رہے تھے، اس دن میرے ابو بہت خوش تھے۔ بے حد خوش تھے، خیر ہم لڑکی کے گھر اس کو مہندی لگانے چلے گئے ہم وہاں پر خوب ہلہ گلہ کر رہے تھے اور پیچھے گھر میں محفل موسیقی کا پروگرام ہو رہا تھا ساتھ ساتھ کھانا بھی چل رہا تھا مہمان آئے ہوئے تھے ہم نے مہندی لگا کر واپس آنا تھا جس کے بعد لڑکی والوں کو آنا تھا اور لڑکے کو مہندی لگا کر اور کھانا کھانے کے بعد اصل دھوم دھڑ کا شروع ہونا تھا۔ جس کا بے چینی سے سب لڑکوں اور لڑکیوں کو انتظار ہوتا ہے اس میں گانوں کے ساتھ ساتھ رقص کے بھی مقابلے ہوتے ہیں۔ مگر ابھی ہماری چھیڑ خوانی کا نشانہ مائیوں بیٹھی دلہن تھی خوب شور شرابا اور مستی سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسی دوران اچانک کسی نے آکر کہا کہ آپ لوگ پروگرام کو مختصر کر کے جلدی سے گھر آجائیں۔ ہم پریشان، کہ کیا ہو گیا ہے میں سمجھی کبھی کبھی شادی کے موقع پر دونوں خاندانوں میں ذرا سی بات پر کو یہ اختلاف ہو جاتا ہے تو پھر ساری رسومات کو معاملات کے حل ہونے تک روک دیا جاتا ہے۔ ہم نے جلدی جلدی پروگرام ختم کیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے مگر ابھی ہم تقریباً آدھے راستے میں ہی تھے کہ کسی نے کہا کہ تمہارے ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں حیران کہ ابو تو ٹھیک ٹھاک تھے بے حد خوش تھے کوئی طبیعت کی خرابی کی شکایت بھی نہیں کی تھی پھر کیا ہوا۔ ابھی ہنستے کھیلے ہمیں رخصت کیا۔ میں گھر کی طرف بھاگی سب بھاگے کسی سے سنا کہ شاید ہارٹ اٹیک ہوا ہے گھر سے ابھی تھوڑے ہی فاصلے پر تھے تو پتہ چلا کہ ہماری

دنیا تاریک ہوچکی تھی بتایا گیا کہ اُن کی Death ہوگئی ہے۔ یہ سن کر ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ چھوٹا سا راستہ پہاڑ جتنا راستہ ہوگیا جب ہم اپنی گلی میں پہنچے تو تمام لوگ جو محفل موسیقی میں شرکت کے لئے آئے تھے سر جھکائے گلی میں قطار بنائے کھڑے تھے ہم گرتے پڑتے بہ مشکل گھر پہنچے تو ایک کہرام مچ گیا میرے ابو کو اللہ بخشے اُن کو ہر وقت زرق برق کپڑوں میں تیار لوگ ہمیشہ بہت اچھے لگتے تھے اور آج اُسی طرح اُن کی چارپائی کے اردگرد رنگ برنگے سبز پیلے اور سرخ کپڑے جھلملا رہے تھے مگر وہ سکون کی نیند سوئے کسی کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

۔۔۔اور آج میں اپنے اس چچا کے گھر زندگی میں پہلی بار جا رہی تھ جس کی تصویریں دیکھ کر میں اکثر پوچھا کرتی تھی کہ کہیں ابو اور چاچا مشتاق جڑواں تو نہیں۔ بلا کی مماثلت ان کی شباہت میں تھی۔ مجھے بتایا جاتا پگلی یہ ابو سے کئی برس چھوٹے ہیں۔ مجھے یہ بات یاد آئی تو اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی یاد آیا کہ میری چھوٹی بہن مونا جب بڑی ہوئی تو باوجود عمر کے واضح فرق کے بلکل میری طرح ہوگئی۔ لوگ ہمیں ایک دوسرے کا فوٹوسٹیٹ کہنے لگے۔ حالانکہ جڑواں بہن بھائی بھی بچپن میں کنفیوز کرنے والی مماثلت رکھنے کے باوجود بڑے ہو کر کچھ تھوڑا بہت اور بسا اوقات ایک نمایاں فرق کی وجہ سے الگ الگ صورتیں بن جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن افراز یا شاید شام ہمارے ساتھ تھا اور ہم بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک آواز نے ہمیں بے اختیار ہنسا دیا۔۔۔ایک بچے نے دوسرے کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ ''اوئے اوئے یہ دیکھو۔۔۔۔اس بچے کی دونوں مائیں ایک طرح کی ہیں''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تو میں نے آنکھ میں آئے آنسو صاف کئے اسی دوران پائلٹ کا اعلان بھی مجھے واپس جہاز میں لے آیا کہ ابھی کچھ ہی دیر بعد ہم لینڈ کرنے والے ہیں لیکن یہ بات کرنے کے بعد جہاز میں کپتان کی آواز دوبارہ گونجی کہ ہم تھنڈر سٹورم میں ہیں اس لئے پلیز آپ سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور مومنٹ مت کریں اور عملہ سے تعاون کریں۔ ایک دم سے اندھیرا چھا گیا اور جہاز ڈگمگانے لگا چند لمحوں کی اس کیفیت نے خاصا پریشان کیا۔ لیکن خیر ہوگئی

Scanned with CamScanner

اور کچھ دیر بعد ہم تھنڈر سٹورم سے نکل آئے اور پرواز ہموار ہوگئی جس کے بعد جہاز لینڈ کرنے لگا اور فینکس ایئر پورٹ کو چھولیا۔ ہم جہاز سے نکل کر جب لاؤنج کی طرف آئے تو سامنے ہی میرے انکل ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ Denver سے روانہ ہونے کے بعد جانی نے میرے انکل کو بتادیا تھا کہ مما پاپا روانہ ہوگئے ہیں اور وہ لوگ وہاں پہنچ کر آپ کو فون نہیں کر سکیں گے کیوں کہ اُن کے پاس Cell Phone نہیں ہے۔ اس لئے میرے انکل وقت سے بہت پہلے وہاں آ گئے تھے اُن کو دیکھ کر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی اُن کو یقین آ رہا تھا کہ میں فینکس پہنچ گئی ہوں بہت خوش تھے ہم اُن کے ساتھ ہوتے ہوئے گاڑی تک آئے اور گاڑی میں بیٹھ کر گھر کے لئے روانہ ہوگئے راستے میں خوب باتیں ہوتی رہی پشاور کے اور سب فیملی ممبرز کے بارے میں پوچھتے رہے گھر قریب آ گیا جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو بند دروازے سے ہی چچی نے Hello کیا اور جب دروازہ کھولا تو حیران کیونکہ چچا تو کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان سے آئے تھے لیکن چچی کے ساتھ ملاقات تقریباً 10 سال کے بعد ہورہی تھی بہت خوشی کے ساتھ خیر نال آیو کہا اُس کے بعد گھر میں اندر آ گئے سب سے پہلے ہم نے چائے کا ایک کپ پیا پھر دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر ہم سو گئے

اپنے چچا کے گھر مجھے بہت مزے کی نیند آئی ایسی کہ بتا نہیں سکتی سہ پہر کو اٹھے چائے پی۔ لان میں بیٹھ گئے گپ شپ لگی رہی۔ پرانے قصے کہانیاں ہوتی رہی رات ہوگئی کھانا کھایا اور سو گئے صبح اُٹھے نماز پڑھی ناشتہ کیا صبح دس بجے کے قریب میری کزن سارا جس کو معلوم ہوا کہ ہم آئے ہوئے ہیں تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ ہم سے ملنے آئی سارا دن ایک عجیب ہلہ گلہ موج مستی ہوتی رہی۔

شام کو سنی کا انتظار تھا کیوں کہ اُس نے کہا تھا کہ اگر ٹکٹ مل گیا تو وہ بھی آ جائے گا لیکن شام سے کچھ دیر پہلے اُس نے اطلاع دے دی کہ اُسے ٹکٹ نہیں ملا اس لئے وہ نہیں آ رہا اُسے سب نے بہت miss کیا۔ رات کو میری کزن کے شوہر سہیل بھی آ گئے اُن سے ملے رات کے

Scanned with CamScanner

ڈنر کا اہتمام میری چچی نے بریانی اور زردہ سے کیا۔ کھانے سے پہلے انہوں نے سب سے کہا کہ یہ چیزیں میں نے سنی کی خاطر بنائی تھیں اب آپ لوگ انہیں کھاتے ہوئے اُسے یاد ضرور کرنا۔ دراصل چاچا مشتاق کی طرح چاچی جان بھی افراز سنی کو بہت چاہتی ہیں کم کم ملاقاتوں کے باوجود جب بھی بات ہوتی پہلے اس کا پوچھتیں۔ جب بھی سنی کا کوئی نیا ٹی وی ڈرامہ یا پرگرام آن ائیر جاتا ان کی یہی ڈیمانڈ ہوتی کہ کسی طرح ویڈیو بھیجیں۔ اور تصویریں تو ہم آئے دن بھیجتے تھے۔ خاص طور پر جب شام اور سنی کا ایک بہت ہی پاپولر ڈرامہ سیریل ''زندگی'' آن ائیر تھے تو اس کے بارے میں بہت بات کرتے کیونکہ اسے علی (ناصر علی سید) نے لکھا تھا یہ ڈرامہ سیریل ہندکو زبان کا سیریل تھا۔ اس کی مقبولیت دیکھ کر پاکستان مرکزی ہندکو ادبی بورڈ (رجسٹرڈ) پشاور کے بینر تلے حسام حر بھائی نے کتابی شکل میں اس ڈرامہ کو شائع کر دیا۔ اور یہ بات ایک ریکارڈ کی حیثیت اختیار کر گئی کہ پشاور ٹیلیوژن سنٹر سے اردو، ہندکو اور پشتو کے سینکڑوں بلکہ اب تو ہزاروں ڈراموں، سیریز اور سیریلز نشر ہو چکے ہیں مگر یہ اعزاز ڈرامہ سیریل ''زندگی'' کو اور خاص طور پر حسام حر کو حاصل ہوا کہ اس نے علی کی لکھی ہوئی اس ڈرامہ سیریل کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ اب تک یہ پہلی تو ہے آخری بھی ہے۔ اب چاچا جی کو پتہ چلا تو انہوں نے یہ کتاب منگوائی اور پھر اکثر فون پر اس کی تعریف کرتے۔ صرف علی سے نہیں اپنے اور دوستوں اور رشتہ داروں سے بھی اس کی بات کرتے۔ یہ انہیں بہت پسند ہے اس کا اندازہ تو ہمیں تھا مگر کھانے پر انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ اب میں ریٹائرڈ ہو گیا ہوں میں اسے اردو میں کنورٹ کر رہا ہوں۔ (اب یہ شائع ہو چکی ہے) بہت خوشی ہوئی بہت لطف اس اطلاع سے لیا۔ مگر مجھے امریکہ میں کچھ دن گذار کر اندازہ ہو گیا کہ یہاں کی مصروف زندگی سے اپنے لئے وقت نکالنا بھی مشکل ہے۔ پتہ نہیں یہ بیل کب منڈھے چڑھتی ہے۔ مگر جب میں واپس پاکستان آئی اور حسام حر بھائی اور علی کے اصرار میں یہ ٹوٹی پھوٹی سطریں قسطوں میں ان کے ادبی جریدہ ''احساس'' کے لئے لکھنے لگی تو پشاور جیسے کم مصروف شہر میں بھی مجھے بہت مشکل پیش آئی، فینکس میں کب یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہہ دیا ہم خوش ہوئے مگر کب

Scanned with CamScanner

یہ پروجیکٹ مکمل ہوگا کون جان سکتا ہے۔ مگر ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ مجھے علی نے بتایا کہ "لو رفعت جی آپ کے چاچا جی نے تو کمال کر دیا" کیا ہوا میں پوچھا تو انہوں نے لیپ ٹاپ آگے کر دیا۔

میں نے دیکھا تو چاچا جی نے علی کی ہندکو ڈرامہ سیریل کا مکمل اردو ترجمہ پی ڈی ایف میں سنڈ کیا تھا۔ میں بھی حیران رہ گئی۔ اور اب وہ جلد ہی حسام حر کے ادارہ "ملاقات پبلیکیشنز" کے تحت چھپ رہا ہے۔ شاید میری اس "سفر کہانی" سے پہلے آ جائے۔

کھانے پر اور بعد میں بھی سارے سنی کا ذکر کرتے رہے اور بار بار کہتے کہ سنی اور کومل کو کہیں کہ دو دن کیلئے سہی مگر فینکس ضرور آئیں۔ خیر اس رات ہم نے بہت انجوائے کیا رات دیر تک محفل جمی رہی۔ ایری زونا میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں مگر اُس رات خوب بارش ہوئی جسے سب نے انجوائے کیا اور اسے ہمارے آنے کی خوش بختی سے تعبیر کیا۔ میری کزن لوگ رات کو واپس اپنے گھر چلے گئے۔ ہم بھی سونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گئے صبح اُٹھے ناشتہ کیا اُس کے بعد ہم لوگ انکل کے ساتھ Mall چلے گئے وہاں گھومتے گھومتے اچانک رُک کر انکل نے کہا کہ "دیکھو رفعت کتنی عجیب بات کہ میں اور تم ایری زونا میں اکٹھے پھر رہے ہیں میرے لئے یہ سب ایک خواب کی طرح ہے" اور یہ میرا خواب بھی تھا میں نے کہا دیر تک خوب گھومتے رہے دو پہر کا کھانا ہم نے ایک انڈین ریستوران میں کھایا۔ کیا کھانا تھا، بتا نہیں سکتی اُس کے بعد ہم گھر آ گئے اور پروگرام یہ بنا کہ شام کو ہم دی بیوٹس کی سیر کو جائیں گے اس جگہ کا ذکر علی کے خطوط میں ہے کہ پہاڑوں کو کاٹ کر اسے بنایا گیا ہے۔ ویسے تو سارا فینکس امریکن نے بنایا ہے اور اس لق و دق جگہ پر پھول اور سبزہ کھلایا ہوا ہے۔ یہ جب ٹھان لیتے ہیں کہ یہ کام کرنا ہے تو کر کے ہی چھوڑتے ہیں۔ ہم نے تھوڑا آرام کیا سہ پہر کو چچی کے بھائی ہم سے ملنے آئے اُن کے ساتھ بھی بات چیت ہوتی رہی۔ وہ ایک زمانے میں پشاور بہت آتے جاتے رہے تھے اور یہ بہت پرانی بات ہے مگر حیران کن حد تک ان کو ہمارے خاندان کے مرد و خواتین کے نام اور ان کے گھروں کی لوکیشنز تک یاد تھیں۔ چاچا مشتاق نے بتایا کہ جب پشاور میں ڈھکی کے علاقہ میں دھما کہ ہوا تھا میں شکا گو میں

تھا تو اس مجھے فون کر کے بتایا کہ پشاور میں دھماکہ ہوا ہے ۔میں نے کہا ہاں یار بہت افسوسناک خبریں پشاور سے مل رہی ہیں۔ کہنے لگا کہ جناب فون کر کے معلوم کرو۔ کیونکہ دھماکہ ڈھکی میں ہوا ہے اور وہاں تمہاری دو بھتیجیاں نسیم اور شمی رہتی ہیں مجھے اس کی یادداشت کی داد دینا پڑی اتنے میں اس کی جیب میں پڑے موبائیل فون سے عصر کی اذان کی آواز آئی۔ وہ چپ ہو گیا اور پھر ہم سب نماز کی تیاری کرنے کے لئے اٹھ گئے۔علی سہیل نے اس کی امامت میں نماز ادا کی۔نماز کے بعد وہ چلے گئے کہ مغرب کے لئے ان کو اپنے علاقے کی مسجد پہنچنا تھا اس مسجد کی بھی عجب کہانی ہے اس علاقے کی مسجد چھوٹی تھی پھر علاقہ کے مسلمانوں نے چندہ کر کے اس موجودہ جگہ کو خریدا۔غالباً ماضی میں یہ مندر یا کسی اور مذہب کا معبد تھا۔جس کو گرا کر نئی تعمیر کرنا تھا۔اس کے ساتھ کا ملحقہ گھر ان کا تھا۔ یہ بڑی حد تک آزاد منش، ٹامی ٹائپ اور ایزی گوئنگ شخص تھے۔مذہبی معاملات میں بھی تھوڑے لاپرواہ اور شاید عید کے عید نماز پڑھنے والے تھے۔ان دنوں قدرے فراغت تھی کہ ماشاء اللہ بچے جوان تھے اور کام کاج پر تھے، علاقے کے لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ تھوڑا وقت نکال کر مسجد کی تعمیر کے کام کی نگرانی اگر کر سکیں۔پابندی کے کام ان کے لئے مشکل تھے مگر محلے داری کی وجہ سے حامی بھر لی کہ ٹھیک ہے اور پھر گاہے گاہے گھر سے نکل کر جاتے ہوئے یا پھر آتے ہوئے مسجد سے ہو کر جاتے۔پھر ذرا زیادہ دیر تک کام کی نگرانی کرتے کچھ ہدایات بھی دیتے اور پھر اس کام میں اتنا مزہ آیا کہ جب تک کام جاری رہتا یہ وہیں رہتے۔پھر مسجد کے خدوخال نکل آئے تو کچھ لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کیا ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی نماز پڑھنے لگا اور پھر پتہ ہی نہ چلا کہ کب سے یہ پانچ وقتی نمازی بنا اور کب دنیا جہاں کے کام چھوڑ کر سارا سارا دن مسجد میں گذارنے لگا پھر بچوں کو قران پڑھانے لگا۔اور اب بمشکل کوئی نماز وہ اس مسجد کے علاوہ پڑھتا ہے بس وہیں پہنچتا ہے۔ کہہ رہا تھا مہمانوں کی وجہ سے ادھر آ گیا ایک نماز یہاں پڑھ لی اب دوسری سے پہلے پہنچنا ہے۔وہ چلا گیا اور میں سوچنے لگی۔ کہ ہدایت دینے والا رب کیسے خوش نصیبوں کو اپنا بنا لیتا ہے۔ان کے جانے کے بعد کچھ دیر ہم باہر بیٹھے رہے اور پھر مغرب پڑھ کر ہم نکل پڑے اور

تقریباً 8 بجے کے قریب بیوٹس دیکھنے پہنچ گئے واہ کیا جگہ تھی رات کے وقت تو پریوں کی دنیا لگ رہی تھی۔ دیر سے واپسی ہوئی کھانا کھایا اور سو گئے کیوں کہ چچی نے کہا کہ سارہ کا فون آیا تھا کہ صبح ناشتہ میری طرف کرنا سو صبح 10 بجے کے قریب ہم نے وہاں جانا ہے صبح اٹھے تو پروگرام change تھا۔ اس لئے کہ سارہ اور بچے یہاں آ رہے تھے پھر وہ پروگرام بھی change؟ خیر چچی نے ہمیں بہت مزیدار ناشتہ کروایا پھر اُس کے بعد میری دوسری کزن عین جس کی اُسی دن برتھ ڈے تھی اُس کا فون آ گیا اس سے فون پر بات کی وہ ایری زونا سے بہت دور تھی اُس سے بات ہو رہی تھی کہ سارہ کا فون آ گیا کہ آپ لوگ ابھی سے میرے گھر آ جائیں گپ شپ بھی کریں گے چائے پیئیں گے۔ اصل میں ہم نے رات کو اُس کے گھر جانا تھا اس لئے کہ میرے انکل نے میرے شریک سفر کے اعزاز میں ایک شام کا اہتمام کیا تھا یہ ان کی کتاب کی رونمائی اور خود ان کی پذیرائی کی بھی تقریب تھی انہوں نے اپنے دوستوں کو دعوت دی تھی کہ پاکستان سے میری بھتیجی اُس کا شوہر اور بیٹا آیا ہوا ہے تو انہوں نے یہ اہتمام اپنی بیٹی سارہ کے گھر میں کیا تھا ہم سہ پہر کو ہی سارہ کے گھر پہنچ گئے اُس نے والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا گپ شپ ہوتی رہی چائے پی کیا خوبصورت گھر ہے سارا کا چشم بددور۔۔۔ جھیل کنارے گھر ایسا گھر کہ گھر کے اندر سے ہی آپ کو بیٹھے بیٹھے پوری جھیل نظر آئے فینکس کے اس ایریا میں زیادہ تر گھر اس طرح سے ہیں کہ تقریباً ہر گھر کے پچھلے سائیڈ پر ایک جھیل ہے میری یہ کزن بہت ہی پیار کرنے والی وہ تو جیسے بچھے جا رہی تھی۔ ایسا والہانہ پیار جیسا کوئی بھی بہن کسی اپنی بہن کو دے سکتی ہے۔ وہ امریکن ماحول میں پلی بڑھی تھی فاصلے زیادہ تھے نہ ہونے جتنی ایک آدھ ملاقات تھی۔۔ تو کیا ہوا۔۔ مگر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے یہ بات سنی اور پڑھی تھی اس کا تجربہ سارا کو مل کر اور اس کی محبت میں سرشار ہو کر ہوا۔۔ اتنی دور رہتے ہوئے بھی اتنا بے لوث پیار بتا نہیں سکتی۔ رات کو 8 بجے Dinner کیا۔۔ کیوں کہ مہمانوں کو نو بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ 9 بجے کے بعد لوگوں کے فون آتے رہے کہ لوکیشن بتائیں اس کے بعد مہمان آنا شروع ہو گئے۔ تقریباً 100 کے قریب مہمان تھے باہر لان میں مہمانوں

Scanned with CamScanner

کے لئے جگہ بنائی گئی تھی پروگرام شروع ہوا میرے انکل نے میزبانی کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے تفصیل سے میرا میرے ہم سفر اور میرے بیٹے کا تعارف کروایا اور ایسے انداز میں کہ میں بتا نہیں سکتی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ رات گئے تک گفتگو سوال جواب ادبی مباحث اور پھر نشست کا آخری حصہ علی کی شعروشاعری کے لئے مخصوص تھا۔۔ مزے کی محفل جمی رہی مہمانوں کی تواضع چائے ،کافی سموسہ، کباب فروٹ چاٹ اور مختلف سنکیس اور سویٹ ڈش سے کی گئی خوب محفل جمی رہی۔ اور دیر تک رہی۔ حاضرین نے خوب داد دی پروگرام ختم ہونے کے بعد رات گئے ہم گھر واپس آئے لیکن میرے انکل بہت خوش تھے کہ پروگرام اچھا رہا اُس روز بھی خوب نیند آئی۔ صبح اٹھے ناشتہ کیا اُس کے بعد انکل اور شام سہیل وسارا کے گھر چلے گئے کیونکہ وہاں رات کو ہم سب کچھ یوں ہی چھوڑ کر آ گئے تھے اُن سب چیزوں کو سنبھالنا تھا اس لئے دوپہر کے کھانے تک ہم لوگ ان کی واپسی کا انتظار کرتے رہے فون کیا پتہ چلا کہ سارہ نے اُن کو کباب اور سینڈوچ بنا دیئے ہیں اور وہ انہوں نے کھا لیئے ہیں اور پھر یہ کہا کہ آپ لوگ کھانا کھا کر یہیں چلے آئیں۔ چائے اکٹھی پیئں گے ہم نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور سارہ کے گھر چلے گئے وہاں مزیدار چائے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ سارہ کچن میں اِدھر سے اُدھر ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا کر رہی ہو یار۔ اُس نے کہا کہ کھانا تیار کرنا ہے پھر اُس نے مزیدار ڈنر منٹوں میں تیار کیا اُس میں چاول، مچھلی اور سبزی سب کچھ بنایا تھا۔ خاص کر اپنے ہاتھ سے ہمارے لئے روٹی تیار کی اس دوران سہیل اور شام Swimming کرتے رہے۔ علی لان میں جھولے میں بیٹھے جھولتے رہے۔ اور ان کے پالتو اور بہت ہی خوبصورت بلّے ''ڈلیش'' کی تصویریں بناتے رہے۔ سارا نے پھر ساروں کو کھانے کے لئے بلایا اور بہت ہی مزیدار اور ذائقہ دار کھانا کھایا گیا۔ جس کے بعد پوسٹ ڈنر آئیٹم کے طور پرسنی کی شادی کی تصویریں دیکھی گئیں۔ رات گئے گھر واپس آ گئے کیونکہ اگلی صبح ہماری واپسی تھی۔ زندگی میں پہلے مرتبہ انکل مشتاق کے گھر آئی تھی علی تو پہلے بھی آ چکے تھے چاچا اور چاچی نے بہت پیار دیا چچازاد بہن سارہ کی محبت تو لفظوں میں بیان ہی نہیں کی جا سکتی۔ علی اسے پشاوری تربیت

Scanned with CamScanner

بتاتا پھر سہیل بھائی (سارا کے شوہر) تو بھائیوں سے بڑھ کر تھے جس کے گھر علی کے ساتھ ایک بھر پور ادبی تقریب ہوئی۔ یہ ایک بہت ہی شاندار تقریب تھی۔ یہ تقریب میرے انکل اور سہیل بھائی نے علی کے لئے منعقد کی تھی۔۔ کتنی ہی محبت بھری یادیں گٹھری میں ہم نے باندھ لی تھیں۔اب یہ ایریزونا کے خوبصورت شہر فینکس کے ایک محبت بھر خاندان میں ہماری آخری رات تھی۔ہم تو خیر اداس تھے مگر چچا اور چاچی بھی اداس تھے لیکن کیا کرتے ہم نے تو آنا تھا کیونکہ ایری زونا سے واپسی پر علی کو فوراً ڈینور سے نیویارک جانا تھا۔اصل میں وہ تو امریکہ اپنے پروگرام (کتاب کی رونمائی) کے سلسلے میں آئے تھے، جو حلقہ اربابِ ذوق نے نیویارک میں کرنا تھا۔

صبح اٹھے ناشتہ کیا اُس کے بعد چچا چچی اور ہم سب مل کر باتیں کرتے رہے لیکن انکل اداس تھے۔سارہ آ گئی اُس سے کچھ باتیں کی پھر وہ چلی گئی کیونکہ اُس نے فینکس یونیورسٹی جانا تھا وہیں وہ پڑھائی ہے ابھی کھانے کے تیاری ہو رہی تھی کہ سہیل آ گئے اس نے ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا تب تک 3:30 بج گئے تھے ہم 4 بجے وہاں سے روانہ ہوئے سارے راستے باتیں ہوتی رہی لیکن سب اداس تھے۔ایئر پورٹ آیا اور انکل نے مسکراتے ہوئے میں خدا حافظ کہا مگر ان کی آنکھوں کے نمی مجھ سے نہ چھپ سکی تو میں ایک بار پھر ان کے گلے ملی اور ان کی طرف دیکھے بغیر ٹرمینل کی طرف بڑھ گئی۔ہم تمام راستوں سے ہوتے ہوئے لاؤنج تک آ گئے۔6 بجے ہماری فلائٹ نے روانہ ہونا تھا آخر اعلان ہوا اور تمام مسافر باری باری اپنا سامان اٹھا کر جہاز میں داخل ہونے لگے اور اپنی اپنی سیٹ ڈھونڈ کر بیٹھنے لگے ہماری سیٹ سب سے آخر میں تھی جہاز روانہ ہوا میری سیٹ کھڑکی کی طرف تھی کھڑکی میں سے نظارہ کرتے رہے بادلوں کو دیکھتے ہوئے انجوائے کرتے رہے۔علی نے کہا فینکس کا روٹ نہ جانے کیسا روٹ ہے یہاں اکثر موسم خراب ہو جاتا ہے۔ وہی ہوا کہ لینڈ کرنے سے پہلے پھر اعلان ہوا کہ موسم میں کچھ گڑ بڑ ہے اس لئے آپ لوگ سیٹ بیلٹ باندھ لیں اس اعلان کے فوراً بعد جہاز ایک بار پھر تھنڈر سٹورم میں پھنس گیا اور ہم دعائیں کرتے رہے کہ اللہ خیر کریں۔شکر ہے اللہ نے خیر کی اور ہم زمین پر اُتر آئے تمام مراحل

Scanned with CamScanner

سے ہوتے ہوئے ہم لاؤنج میں باہر آئے تو جانی اور کومل ہمیں لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اُن کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گھر گئے۔

ادھر ہر روز عتیق صدیقی بھائی کا فون آتا کہ کب آ رہے ہیں بس آ جاؤ نا بہت دن ہو گئے ہیں گپ شپ لگانی ہے پروگرام کرنا ہے یہ کرنا ہے وہ کرنا ہے آخر کار ایک ماہ سنی کے پاس گزارنے کے بعد علی تو نیویارک کے لئے روانہ ہو گئے اور اب ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے علی سے بھی Skype پر ہی ملاقات ہوتی وہ وہاں عتیق صاحب کے پاس تھے خوب انجوائے کر رہے تھے، ٹولیڈو میں ڈاکٹر امجد کے ہاں بھی ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اُس میں ارشاد صدیقی، ستیہ پال آنند، ناصر علی سید اور عتیق صدیقی نے اس تقریب میں حصہ لینا تھا اس کے بعد عتیق صدیقی تو نہ جا سکے کہ انہی تاریخوں میں اللہ نے ان کی جھولی میں ان کے بیٹے ارتقا کے بے بی کی صورت میں ایک بڑی خوشی ڈالنا تھی۔ اور اس موقع پر والدین کا بچوں کے پاس ہونا ضروری ہوتا ہے۔۔۔ ارتقاء کا اپنے موٹل کیپ کاڈ میں ہے اور وہ وہاں اپنی فیملی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (اس علاقہ کا ذکر بھی علی کی خط میں ہے) اور عتیق بھائی کا اپنا ہوٹل اپ سٹیٹ نیویارک (بنگ ہیمٹن) میں ہے۔۔ اور یوں علی اور ارشاد صدیقی بنگ ہیمٹن سے بائی ائیر ٹولیڈو پہنچے۔۔ علی نے کینیڈا سے اپنے گرائیں اور اچھ شاعر خالد رؤف کو بھی ٹولیڈو بلوا لیا شنید ہے کہ وہاں بھی خوب ہنگامہ رہا۔ کہ ان کے علاوہ ممتاز شاعر و ادیب ستی پال آنند بھی وہاں مدعو تھے۔ علی واپ نیویارک آئے تو اللہ کے کرم سے عتیق بھائی اور بھابی ذکیہ کو ارتقاء کے بیٹے کی صورت میں ایک بہت بڑی خوشی مل چکی تھی، مجھے علی نے بتایا کہ پشاور کے دوستوں کے طرح یہاں بھی مجھے بھابی اور عتیق بھائی نے بے بی کے نام کی ڈیوٹی سونپی۔ علی نے زائچہ بنا کر کچھ حروف نکالے اور پھر کچھ نام بھی تجویز کئے۔ عتیق بھائی کے بیٹی روبینہ اپنے بھائیوں اعزاز اور ارتقاء کی طرح ایک بے حد پیار کرنے والی بچی ہے۔ پہلی اپروول اس نے دی۔ جب علی نے انہیں ناموں کی لسٹ دکھائی اس نے عالیان پسند کیا، علی سے معانی پوچھے، علی نے بھی تائید کی کہ عمدہ نام ہے۔ خیر علی وہاں نیویارک میں بزی تھی ارشاد صدیقی کے

آنے سے سب خوش تھے۔ یوں بھی اب ان کے نیویارک میں مختلف پروگرام تھے اور خوب سیریں بھی ہو رہی تھیں، ادھر ہم بھی Denver میں خوب گھوم پھر رہے تھے۔ انجوائے کر رہے تھے۔

اب وہ دن بھی قریب تھے جب داؤد بھائی اور زہرہ بھابھی نے حج پر جانا تھا تو اُن کے جانے کی تیاری بھی عروج پر تھی، اس کے فوراً بعد ہم نے بھی نیویارک آنا تھا ہماری Shopping بھی تھی اور ساتھ ساتھ ہمارے سامان کی Packing بھی تھی ہمارے نیویارک جانے سے پہلے داؤد بھائی لوگ حج کیلیئے روانہ ہو گئے میرے سنی اور کومل نے مجھے شام کو بہت سیر کرائی اللہ تعالیٰ اُن کو زندگی میں بہت سے کامیابیاں دے اب Denver سے نیویارک جانے کے دن قریب آرہے تھے دل کو ایک دھڑکا سا لگ رہا تھا کہ کیا ہوگا۔ تیاریاں شروع کر دیں Shopping کی سامان پیک کیا، سامان Pack کرنے کا ایک الگ طریقہ ہے جو وہاں پر صرف کومل کو آتا ہے وہ یونیورسٹی اور جاب سے آکر ہمارے لئے Packing کرتی گھر میں ہی انہوں نے وزن کا آلہ رکھا ہوا تھا جس سے ہم بار بار Boxes کا Weight کرتے کہ کسی Box کا Over Weight نہ ہو جائے آخر کار 26 اکتوبر کو ہم Denver سے نیویارک آگئے دل کی جو حالت تھی بس کچھ ایسی کہ جس پر اسکول کے زمانے کا پڑھا ہوا یہ شعر صادق آتا ہے۔

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
میری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

جوں جوں نیویارک جانے کے دن قریب آرہے تھے دل کو ایک عجیب طرح سے بے قراری تھی کبھی تو یہ سوچتی کہ کتنا اچھا ہوتا کہ اب پاکستان سے آنے کا پروگرام بن رہا ہوتا کبھی دل کرتا کہ ابھی نہ جاؤں لیکن جانا تو تھا جتنا بھی رہتی آخر جانا تو تھا جب سب بیٹھے ہوتے تو میں خاموش سنی کو دیکھتی رہتی کہ کیا پتہ پھر کب ملاقات ہو راتوں کو نیند نہیں آتی اگر کبھی آ بھی جاتی تو آدھی رات کو آنکھ کھل جاتی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ 24 ستمبر کو داؤد بھائی اور زہرہ بھابھی حج پر چلے گئے اُس دن بھی عجیب منظر تھا۔ یہ بچے ماں باپ سے پہلی دفعہ جدا ہو رہے تھے

Scanned with CamScanner

لیکن داؤد بھائی بھی سنی کے حوالے اپنا گھر کر کے جا رہے تھے میرے بیٹے نے بھی داؤد بھائی کی غیر موجودگی میں اس گھر کا خوب خیال رکھا میرے سنی کو اللہ زندگی دے اور دین اور دنیا کی کامیابیاں نصیب کریں (آمین) آخر دن تک اُس سے جو ہوسکا اُس نے کیا اب جس صبح ہم نے جانا تھا رات دیر تک میرے پاؤں کے پاس بیٹھا رہا آخر میں نے کہا کہ جاؤ بیٹا جی سو جاؤ اُس کا دل نہیں کر رہا تھا میں تو خیر ساری رات جاگتی رہی یہ سوچ کر کہ صبح کب ہوگی آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی نماز فجر پڑھی اور تیاری شروع کر دی۔ 8 بجے کے قریب شام کو جگایا کہ تیاری کر دو وہ بھی اُٹھ گیا اور سامان اوپر لے گیا اُس کے بعد واش روم گھس گیا شاور لینے کے لئے کومل نے ناشتہ تیار کیا ناشتہ کرنے کے بعد 11 بجے ہم گھر سے نکل پڑے کیوں کہ دن 1:50 ہماری فلائٹ تھی اور ہمیں تقریباً 2 گھنٹہ پہلے ایئرپورٹ پہنچنا تھا سو اداس اور بوجھل دل لئے ہوئے گھر سے نکل پڑے سارے راستے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے سنی کبھی کبھی شیشے میں دیکھ لیتا پھر اُس نے راستے میں گانے لگا دیے اُس سے گاڑی کے اندر کا ماحول اور بھی اداس ہو گیا۔ سب چپ تھے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا ہر ایک کو یہی خدشہ تھا کہ زبان بولی تو آنکھیں بھی چپ نہیں رہیں گی۔ چھم چھم برس پڑیں گی آخرکار ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے کیوں کہ ایئرپورٹ پر Luggage کا بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ Boardig cad لینے اور سامان کو ایئرپورٹ والوں کے حوالے کرنے سے کچھ سکون ہوا اُس کے بعد ہم کو جن مرحلوں سے گزرنا تھا وہ بھی ایک الگ سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ یہاں پر سنی اور کومل کو جی بھر کے پیار کیا۔ اور کومل سے کہا کہ میرے مسافر بیٹے کا خوب خیال رکھنا اس کو اداس نہ ہونے دینا خود پر بمشکل قابو پایا تو اُس کے بعد جب شام سنی سے ملا تو بے ساختہ رو پڑا یہ منظر تو جیسے آنکھوں میں رک گیا۔ سمجھو آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ آخرکار Cheeking cad کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ہم نے دور سے سنی کو خدا حافظ کہا اور جہاز کی طرف روانہ ہو گئے جہاز میں بیٹھنے کے بعد تو ساری بہادری ختم ہو گئی اور بہت رونا آیا کہ کیا پتہ زندگی پھر اتنی مہلت دیتی ہے کہ نہیں کہ پھر اپنے

بیٹے سے ملاقات کرسکوں گی یا۔۔۔۔ مجھے وہ دن یاد آئے جب ہم افراز کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہے تھے۔اور اس بات سے بے خبر تھے کہ اللہ میاں نے پہلے سے ایک عمدہ بندوبست کیا ہوا ہے۔سال بھرلڑکی کے لئے یہاں وہاں جاتے رہے اور جب اللہ کا حکم ہوا تو پتہ بھی نہ چلا اور اور شادی کی گھڑیاں آن پہنچی۔۔۔ مجھے یاد آیا کہ۔۔۔۔

جب میرے بیٹے فراز کی شادی تھی تو شادی کے لئے میری بہو کومل کے گھر والے امریکہ سے آئے تھے خوب ہنگامہ تھا دونوں طرف خوب تیاریاں ہو رہی تھی مہندی، گانے، ڈھولک سب کچھ ساری فیملی اور جاننے والے کہتے ہیں کہ یہ ایک یادگار شادی تھی ڈھولک تو پہلے سے رکھ دی گئی تھی۔۔اور گانے،،۔گانے تو تقریباً ایک ماہ سے گائے جا رہے تھے۔پشاور میں شادی سے چند ہفتے پہلے لڑکے والے اور لڑکی والوں کے گھروں میں سارے رشتہ دار خصوصاً نوجوان لڑکے اور لڑکیاں رات کے کھانے کے بعد اکٹھے ہو کر ڈھولک پر گیت گانے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں یہ سلسلہ پہلے تو ویک اینڈ پر ہوتا ہے اور پھر جب آخری ہفتہ دس دن رہ جاتے ہیں تو کم وبیش ہر رات یہ منڈلی جمتی ہے جو نصف شب تک جاری رہتی ہے۔اس ہنگامہ خیز اکٹھ کا ''اختتام شیر جائے'' (کشمیری چائے) اور باقر خانی پر ہوتا ہے۔اور انہیں آخری ہفتے کی راتوں میں سے ایک رسم ''چوری کی مہندی'' بھی انجام پاتی ہے مجھے معلوم نہیں کہ یہ رسم کہیں اور ہوتی ہے یا نہیں مگر پشاوریوں کی شادی کا یہ ایک لازمی جزو ہے۔اسے چوری کی مہندی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نصف شب کے بعد شادی کی باقاعدہ رسومات سے تین چار دن قبل کی ایسی رسم ہے جس کی مکمل رازداری کی جاتی ہے لڑکے کے گھر والے اسے گانوں کے لئے آنے والے رشتہ داروں سے بھی چھپائے رکھتے ہیں کہ اس طرح راز کے افشا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔بس اچانک ہی اعلان کیا جاتا ہے کہ چلیں کہ چوری کی مہندی لگا آئیں۔اس میں تھرل یہ ہوتی ہے کہ لڑکی والے نصف شب تک ہر روز انتظار کرتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔لڑکے والے عام طور پر رات کے آخری پہر ان کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں اور مہندی کے گیت گاتے گاتے دروازہ کی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیتے

ہیں اور دروازہ کھلنے تک ہاتھ نہیں ہٹاتے۔لڑکی والے سوئے جاگے آتے ہیں اور مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہتے ہیں پھر وہاں خوب ہنگامہ ہوتا ہے۔مہندی لگائی جاتی ہے۔چائے اڑائی جاتی ہے اور پھر ہنستے مسکراتے یہ رسم پوری کر کے واپس آجاتے ہیں۔اکثر گھر واپس آتے ہوئے صبح کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ہاں میں تو سنی (افراز) کی شادی کی بات کر رہی تھی کہ وہ ایک یادگار شادی تھی بلکہ باقی رشتہ دار اسے شاندار بھی قرار دے رہے تھے۔پہلی بات تو یہ ہوئی کہ ڈھولک پر گیتوں گانوں کا سلسلہ ایک ماہ قبل شروع ہوا۔مگر پھر شادی تک کسی دن کسی نے چھٹی نہیں کی۔گویا ہر روز یہ اکٹھ ہوتا۔پھر میں نے یہ کہا کہ کشمیری چائے کے ساتھ رسم کے مطابق پہلے دن تو باقر خانی سے تواضع کی مگر باقی ہر رات کشمیری چائے کے ساتھ مختلف آئیٹمز سرو کرتی رہی حتیٰ کہ شادی کا دن آ گیا مگر کوئی آئیٹم ری پیٹ نہیں کیا۔اب بھی وہ دن یاد آتے ہیں تو ایک عجیب سا جوش اور ولولہ سا محسوس کرنے لگتی ہوں اور فیملی میں جب بھی کوئی شادی کی تقریب ہوتی ہے بہت ہی شاندار ہوتی ہے کہ پشاوری اس موقع پر اپنی بساط سے بڑھ کر اہتمام کرتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔مگر کوئی نہ کوئی کہہ دیتا ہے کہ سنی کی شادی کی کیا بات ہے اور تو اور جس کمرشل شادی ہال ''واس'' میں بارات گئی تھی۔چند ماہ بعد وہاں ایک شادی پر جانے کا اتفاق ہوا تو اس کے منیجر نے بھی کہا کہ بھائی ویسی شادی پھر یہاں نہیں ہوئی کیا ہنگامہ تھا اور ہر شریک محفل یوں خوش تھا جیسے کہ اُسی کے بھائی بیٹے کی شادی ہے۔خیر بات گانوں کی محفل کی ہو رہی تھی۔

ہر رات کو میرے تمام کزنز لڑکیاں لڑکے سب اکٹھے ہو جاتے۔گانے گائے جاتے ہلہ گلہ کرتے اور رات 12 بجے سب اپنے گھروں کو رخصت ہو جاتے کیوں کہ صبح تو سب کو کاموں پر جانا ہوتا اور سارا دن گزرنے کے بعد شام کو سب پھر اکٹھے ہو جاتے ہلہ گلہ کرتے دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔آخر کار مہندی مایوں کا دن آ گیا اور ان ہی دنوں میں میری پیاری ماں سخت بیمار ہو گئی اور بیمار بھی ایسی کہ میں بتا نہیں سکتی ادھر ہم تاریخ بھی اِدھر اُدھر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ لڑکی والے کچھ دنوں کے لئے امریکہ سے آئے تھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا ہو گا میری بہن بے چاری

میری طرف بھی آتی۔ ماں جی کی تیمارداری بھی کرتی کبھی چھوٹی بھابھی ذراسی دیر کے لئے آجاتی اور پھر چلی جاتی۔ ماں جی کے پاس سب کچھ نہیں آتی تھی دل کو ایک عجیب سا دھڑکا لگا رہتا کہ یا اللہ تو خیر کر آخر خدا خدا کر کے شادی اپنے اختتام کو پہنچی تب تک ہم نے ماں جی کو ہسپتال میں داخل کرادیا تھا لیکن وہ ٹھیک ہونے کی بجائے دن بدن زیادہ بیمار ہوتی جارہی تھی ادھر میری نئی نویلی بہو جس کو میں بالکل بھی ٹائم نہیں دے سکتی تھی یہاں گھر پر بھی میری کوئی بیٹی نہیں تھی جو اُس کا خیال رکھے وہ بے چاری تو یہاں کے طور طریقے بھی نہیں جانتی تھی میرا چھوٹا بیٹا اُس کا خیال رکھتا تھا کبھی مونا ہسپتال میں اور کبھی میں مجھے ارمان ہی رہا کہ میں کس دن اُس نئی دلہن کے لئے ناشتہ تیار کروں اور اُس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں یا ناشتہ کروں اور نہ ہی میرے ان بچوں کو ٹائم مل رہا تھا کہ وہ بے چارے اپنی شادی کو انجوائے کر سکیں پھر جی کڑا کر کے ایک دن میں نے افراز اور کومل سے کہا کہ چند دنوں کے لئے آپ دونوں لاہور چلے جائیں تا کہ اس افسردہ ماحول سے نکل کر ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔

دراصل آج کل کی منگنی اور شادی کے بعد لڑکا اور لڑکی کے درمیان موبائل فون کی سہولت کی وجہ سے بات چیت ایک عمومی بات ہے۔ اس کے کچھ فوائد بھی ہیں اور کچھ نقصانات بھی۔ فائدہ تو یہ ہی ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے مگر نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات روز کی گفتگو کی وجہ سے دونوں بچے اپنی تعلیم اور دیگر گھر کے کاموں کی طرف سے غفلت برتنے لگتے ہیں اور یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ منگنی کے بعد دونوں بچے ساری ساری رات مختلف اُمور پر باتیں کرتے کرتے اُلجھ جاتے ہیں اور اچھی بھلی منگنی شادی تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے۔ سمجھدار اور پڑھے لکھے بچوں کی یہ گفتگو گاہے بگاہے کسی خاص دن یا سالگرہ وغیرہ کی تاریخ پر ہوتی ہے اور آنے والے دنوں میں یہ ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ سنی اور کومل کی منگنی داؤد بھائی، عابد بھائی اور علی کی چالیس سالہ پکی دوستی کے نتیجے میں طے پائی تھی حتیٰ کہ اس میں افراز اور کومل تو ایک طرف خود مجھے بھی زیادہ علم نہیں تھا۔ میں اور میری بہن مونا نے افراز کے

کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کرنے کے فوراً بعد اس پشاور میں شاید ہی کوئی گلی کوچہ چھوڑا ہو جہاں ہم اس کے لئے لڑکی ڈھونڈنے نہ گئے ہوں۔ جہاں کسی نے کسی کا بتایا ہم پہنچ گئے۔ اور اس دوران جب بھی علی کی بات داؤد بھائی سے ہوتی اور وہ پوچھتے کہ کل میں لینڈ لائن پر فون کرتا رہا مگر آپ شاید گھر پر نہیں تھے اور اکثر اوقات علی ان کو بتانے کہ وہ سنی کے لئے لڑکی ڈھونڈنے نکلے تھے اور پھر ہوتے ہوتے ایک سال بیت گیا اِدھر حسام حر بھائی نے علی سے کہا تھا کہ میں یہاں ٹل یونیورسٹی انگلینڈ میں سنی کا ایم ایس میں داخلہ کرا دیتا ہوں آپ کو صرف اس کو بھیجنا ہے باقی بے فکر رہیں۔ ان دنوں حسام بھائی انگلینڈ میں تھے علی نے مجھ سے کہا اور سب جانتے ہیں کہ عمر کے اس حصے میں بچوں کو باہر جانے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ افراز کو اچھا لگے گا حالانکہ وہ ایک مختلف بچہ ہے اسے ہر وہ کام اچھا لگتا ہے جس کا اُسے میں یا علی کہتے۔ مگر جب میں نے اُس سے بات کی اور اس کا ارادہ پوچھا تو اس نے سر جھکا کر کہا کہ مما جب تک شام (اشام میرا چھوٹا بیٹا) ڈرائیونگ نہیں سیکھ لیتا۔ میں کہیں نہیں جانے والا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔"پاپا کو ہر وقت کہیں نہ کہیں ادبی یا ثقافتی پروگراموں کے لئے جانا پڑتا ہے اور میں ان کو لے کر جاتا ہوں۔ ان کو میرے نہ کی وجہ سے مسئلہ ہوگا۔ علی کو جب انجائنا کی شکایت ہوئی تھی تو ڈاکٹر نے اسے گاڑی چلانے اور سیڑھیاں چڑھنے سے منع کیا تھا۔ تب سے افراز ہی انہیں ریڈیو، ٹی وی یا ادبی وثقافتی تقریبات میں لے جایا کرتا تھا۔ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہم ڈرائیور رکھ لیں گے لیکن افراز نے کہہ دیا کہ جوں ہی شام گاڑی چلانا سیکھتا ہے۔ آپ جیسا کہیں گے مجھے منظور ہوگا۔ افراز کے اس برخورداری پر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر اُسے پی ٹی سی ایل میں جاب بھی مل گئی اور میری اور مونا کی لڑکی کی تلاش کا پراجیکٹ جاری رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا ایک سال ہو گیا۔ اس دوران جب بھی داؤد بھائی سے علی کی بات ہوئی تو وہ کہتے کہ یار آپ ایک سال میں چھوٹے سے پشاور میں ایک لڑکی نہیں ڈھونڈ سکے۔ پھر انہوں نے خود دو ایک فیملیز کا بتایا کہ آپ وہاں جائیں۔ ہم وہاں گئے تو چند ہی دن پہلے اُس بچی کی بات پکی ہو چکی تھی۔ پھر علی اور داؤد بھائی کی اس حوالے

Scanned with CamScanner

سے بات ہوئی اور جہاں سال سوا سال میں لڑکی نہیں ملی تھی۔ وہاں دونوں دوستوں نے دنوں بلکہ گھنٹوں میں ہی یہ مسئلہ حل کر دیا تو ہمیں نے کہا سنا بہت تھا اب دیکھ لیا کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ جب رشتہ بننے کا وقت آیا تو چٹکی بجاتے ہی ہو گیا۔ ہماری بس یہی بات تھی کہ کومل سے پوچھا جائے جواب آیا کہ آپ سنی سے پوچھ لیں۔ دونوں سے پوچھا نہیں گیا صرف بتایا گیا اور بچوں نے سر جھکا لیا۔ لیکن ایک آدھ بار Skype میں دونوں فیملیز کی موجودگی میں سلام اور "کیا حال ہے آپ کا" کا تبادلہ ہوا۔ یوں رخصتی کی شام تک دونوں بچے ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ آج کے جدید دور میں یہ سب ناقابل یقین ہے۔ مگر یہی سچ ہے اور ایسا ہی ہوا۔ اب ادھر کومل میرے گھر میں بہو سے زیادہ ایک بیٹی بن کر آئی۔ میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ میرے لئے ایک طرف افراز کی شادی کی خوشی تھی تو دوسری طرف بیٹی ملنے کی سرشاری تھی مگر یہ سب ایسے وقت میں ہوا جب میری ماں جی کی طبیعت بہت خراب تھی۔ ان کا علاج اور تیمارداری بھی چل رہی تھی اور شادی کی رسومات بھی جاری تھیں۔ یہ دھوپ چھاؤں عجیب جان لیوا تھی۔ مگر اسی سے زندگی عبادت ہے۔ میرا زیادہ وقت ماں جی کے ساتھ گذرتا کہ شادی کے فوراً بعد اسے ہسپتال میں داخل کر دیا تھا۔ اب گھر میں بیٹی اور بہو کے روپ میں ایک مہمان موجود تھی مگر میں اسے وقت نہیں دے پا رہی تھی۔

اسی لئے میں نے ماں جی کی بیماری کے دوران ان دونوں کو لاہور بھجوایا تھا تاکہ ان کی کچھ انڈرسٹینڈنگ ہو جائے کیونکہ شادی سے پہلے میرے بیٹے اور بہو کے درمیان کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ بہت ضروری تھا کہ ان دونوں کو ٹائم ملنا چاہتے تھا تاکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ سکیں کیونکر کچھ دنوں کے بعد میری بہو کو بھی امریکہ واپس جانا تھا کیوں کہ اس کی سٹڈیز کا حرج ہو رہا تھا یہاں میری ماں بیمار لاہور سے واپسی کے ایک دن بعد میری پیاری ماں (ماں جی) ہم لوگوں کو روتا چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس چلی گئی اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دیں۔ (آمین)

Scanned with CamScanner

میرا جی بھر آیا اور بہت بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ جہاز اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب ہم اوپر اور بادل بہت نیچے تیر رہے تھے کھڑکی سے نظارہ نظر آ رہا ہے یہ تین گھنٹے کی فلائٹ تھی اس کے بعد ہم واشنگٹن پہنچ گئے یہاں سے ہم نے نیویارک کے لئے ایک نئی ک فلائٹ پکڑنی تھی لہذا ہم نے فیصلہ کیا کہ پہلے یہ معلوم کریں کہ کون سے گیٹ سے ہماری فلائٹ جائے گی تا کہ بروقت ترمینل کے قریب پہنچ جائیں۔ خیر پتہ کرتے ہوئے ہم G.5-A تک پہنچ گئے ہماری فلائٹ تقریباً رات 9 بجے روانہ ہونا تھی۔ اور ابھی بہت وقت تھا۔ اس لئے میں تو بیٹھ گئی سامان کے ساتھ اور شام گیا کچھ کھانے پینے کے لئے کیوں کہ اس نے آج صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا؟ اس نے بہت دیر لگا دی لیکن بہت سا انتظار کرنے کے بعد شام آ گیا کچھ کھایا پیا تو جان میں جان آئی ۔ہمارا Stay واشنگٹن میں تقریباً 4 گھنٹے کا تھا اس کے بعد اعلان ہوا کہ یونائیٹڈ امریکہ کی فلائٹ تیار ہے ہم پھر اپنا B.Card دکھا کر U.A کے جہاز میں بیٹھ گئے یہ ایک چھوٹی سی Domestic فلائٹ تھی روانگی کے ایک گھنٹہ کے بعد رات 9:30 بجے کے قریب جب ایئر ہوسٹس نے اناؤنسمنٹ کی کہ ہم اب نیویارک ایئرپورٹ پر اُترنے والے ہیں۔ میں نے کھڑکی میں سے نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے روشنیوں کا ایک سیلاب تھا جو بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔۔ہاں یہ تو بتانا ہی بھول گئی کہ علی تو نیویاریک کے Upstate میں عتیق صاحب کے پاس تھے اور وہاں سے آنے میں 4.30 گھنٹے لگتے تھے جبکہ دوسرے ہی دن 27 اکتوبر کو نیویاریک میں Kabab Kings میں اُن کے اعزاز میں ایک بہت بڑا پروگرام یعنی اُن کی کتاب کی رونمائی کا پروگرام ہونے والا تھا اس لئے انہوں نے نیویارک میں ڈاکٹر شفیق اور بھابی جان کی ڈیوٹی لگا دی کہ آپ میرے گھر والوں کو ایئرپورٹ سے لے کر اپنے گھر لے جائیں یہ رات آپ کے گھر گزاریں گے اور صبح ہم جو پروگرام کے سلسلے میں آئیں گے تو واپسی پر ہم ان کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ میری الجھن یہ تھی کہ میں اس فیملی سے کبھی ملی نہ تھی۔ ایئرپورٹ سے باہر آئے تو نگہت بھابھی یعنی مسز ڈاکٹر شفیق نے ہمیں دیکھ کر دور

Scanned with CamScanner

ہی سے ہاتھ ہلایا تو مجھے بڑی حیرانی اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے ہمیں کیسے پہچانا بلکہ وہ تو ایسے ملے جیسے میری اپنی بہن مجھے ایئرپورٹ Receive کرنے آئی ہو بعد میں پتہ چلا کہ علی نے میری تصویر اُن کو بھجوادی تھی کہ اُن کو پہچاننے میں دقت نہ ہو خیر ڈاکٹر شفیق صاحب سے ملے گا۔ ڈی میں سامان رکھا اور گھر کی طرف روانہ ہوگئے گھر پہنچے کھانا پہلے ہی سے Table پر لگا ہوا تھا سامان وغیرہ رکھا فریش ہوئے کھانا کھایا خیر باتیں ہوتی رہی۔ کچھ پاکستان کے بارے میں کچھ سنی کے بارے میں ہمیں ہمارے کمرے دکھائے گئے باتیں کرنے میں بہت مزہ آیا کوئی الجھن نہیں تھی ایسے لگتا تھا کہ میں اپنے بھائی کے گھر آئی ہوں گپ شپ لگانے کے بعد سب سونے کے لئے اُٹھ گئے صبح نماز کے لئے اُٹھے پھر ناشتہ کیا علی سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے ایک عجیب کہانی سنائی۔ کہ جب آپ لوگ ڈینور سے روانہ ہوئے تو میں لیپ ٹاپ پر ٹیکنگ دیکھتا رہا مگر آپ کے جہاز کے واشنگٹن پہنچنے سے آدھا گھنٹہ قبل عتیق صاحب اور ارشاد صاحب کے ساتھ میں لیپ ٹاپ آف کر کے ان کے ہوٹل آ گیا تھا اور جس وقت یعنی رات آٹھ بجے آپ لوگ واشنگٹن ایئرپورٹ پر اُترنے والے تھے اور میں عتیق صدیقی کے ہوٹل میں CNN دیکھ رہا تھا تو اچانک پروگرام کو روک کر ایک نیوز الرٹ چلائی گئی جسے سن کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے بدن سے جان نکل گئی ہو میں کھڑا تھا اور خود کو بہ مشکل صوفہ پر گراتے ہوئے بٹھایا۔ ارشاد صدیقی اور عتیق صدیقی کی نظر جب پڑھی تو پوچھا خیریت کیا ہوا میں نے ٹوٹتے ہوئے لفظوں کے ساتھ بتایا کہ ابھی ٹی وی پر ایک بریکنگ نیوز چلی ہے کہ واشنگٹن ایئرپورٹ پر 8 بجے پہنچے والی فلائٹ کے پائلٹ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور ابھی دس منٹ کی اور فلائٹ باقی تھی اور اُسی خبر کے فوراً بعد ٹکر چلا کہ اس پائلٹ کی موت واقع ہوچکی ہے اور اب Co-pilot جہاز کو سنبھال رہا ہے اور آپ لوگوں کی فلائٹ کا واشنگٹن ایئرپورٹ پر اُترنے کا ٹائم بھی 8 بجے تھا عتیق صاحب نے جب ٹی وی کی طرف دیکھا تو New Alert ختم ہوچکی تھی اور Roution کا پروگرام چل رہا تھا اسی دوران مجھے وہ تسلی دیتے رہے اور ساتھ ہی ایئرپورٹ انکوائری سے رابطہ کر رہے تھے کہ کیا فلائٹ خیریت سے

Scanned with CamScanner

Land کر چکی ہے کہ نہیں تاہم کافی دیر تک کچھ Create نہیں ہو سکا میں نے اس دوران سنی کو بھی فون کر کے اس نیوز کی اطلاع دے دی تھی وہ بھی اپنے طور پر معلومات کر رہا تھا اور پھر اُس کا فون آیا کہ میں نے Net پر فلائٹ کا Status دیکھا ہے جواب سے 3 منٹ پہلے خیریت سے Land کر چکی ہے اور پھر کچھ دیر بعد بتایا کہ جس فلائٹ کا Pilot دل کے دورے کی وجہ سے جہاز میں ہی فوت ہو چکا تھا اُس فلائٹ نے Denver سے نہیں بلکہ شارلٹ ایئر پورٹ سے Take off کیا تھا تب میری جان میں جان آئی اور بعد میں تو خیر آپ لوگوں کا فون آ گیا تھا چونکہ آپ کو ابھی ایک اور فلائٹ واشنگٹن ایئر پورٹ سے تھی اس لئے میں نے اس وقت آپ کو یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا لیکن سچی بات ہے کہ ان چند لمحوں میں جو قیامت مجھ پر گزری اور جس طور عتیق صدیقی اور ارشاد صدیقی نے میری ڈھارس بندھائی رکھی اُن لمحوں کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور اللہ کا کرم ہے کہ اب آپ لوگ خیریت کے ساتھ نیویارک پہنچ گئے ہیں۔ اپنے قیام کو انجوائے کریں اور اس یقین کے ساتھ انجوائے کریں کہ سارا امریکہ گھومنا ایک طرف اور ایک نیویارک کی رونقوں کا حصہ بننا اُس سارے امریکہ کے دیکھنے سے بہت آگے کی چیز ہے۔ مانو نیویارک میں ہی امریکہ ہے اور امریکہ ہی نیویارک ہے'' علی کی بات ختم ہوئی تو میں نے ڈاکٹر شفیق اور نگہت بھابھی کی محبت بھری خوش آمدید کو اور بہن بھائیوں سے بڑھ کر خیال کرنے کا احوال سنانے کے بعد اور آنے والی شام کی ملاقات تک باقی کی سفر کہانی کو موخر کرنے کے بعد خدا حافظ کہا اور پھر سنی کا نمبر ڈائل کیا۔ سنی سے بات ہوئی اُس بے چارے کو بھی Tention تھی کیوں کہ میں وہاں سے آتے ہوئے پریشان تھی الجھن میں تھی کہ پتہ نہیں جن لوگوں کے گھر رات گذارنا ہے وہ کیسے لوگ ہوں گے لیکن سنی کہتا کہ پاپا نے کہا ہے تو سب ٹھیک ہو گا اور وہی ہوا مجھے تو لگا ہی نہیں کہ ہماری کوئی پہلی ملاقات ہے۔ نگہت بھابی تو دور سے جو ہاتھ ہلا کر ویل کم کیا تھا اسی وقت سے وہ میرے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ سنی کو میرے ساتھ بات کرنے کے بعد اور فیملی کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی وہ بھی Relex ہو گیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد بھابھی ہمیں

Scanned with CamScanner

گھمانے لے گئی مختلف Shopping Malls گئے کچھ خریدا کچھ ونڈو Shopping کی اور پھر گھر آ گئے۔ Lunch کیا اور پھر تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد کتاب کی رونمائی کی تقریب پر جانے کے لئے تیار ہو گئے وہاں پہنچے تو عتیق صاحب مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے تھے بے پناہ خوش ہوئے کہ ہم بھی نیویارک آ گئے ہیں اُن سے ملنے کے بعد ہم اوپر کباب گنگ چلے گئے وہاں علی ہمارے انتظار میں تھے اُن سے ملے اُس کے علاوہ باقی دوست احباب سے ملے ذکیہ بھابھی یعنی مسز عتیق سے ملاقات ہوئی ان کی خوشی تو بتا نہیں سکتی۔ وقاص اور اُس کی بیگم سے ملاقات ہوئی (وقاص جو کہ عتیق صاحب کے بھتیجے ہیں) ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ یہ بہت ہی شاندار پروگرام تھا مجھے تو اس لئے بھی اچھا لگا کہ دیارِ غیر میں میرے شریکِ حیات کی کتاب کی رونمائی تھی یہ میرے لئے ایک بہت اعزاز کی بات تھی کہ ایک غیر ملک میں علی کو اتنی عزت مل رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ عتیق صاحب کے لئے دل کے اندر سے دعائیں نکلیں۔ علی کی کتاب ''ادب کے اطراف میں'' کے حوالے سے بہت سے مضامین پڑھے گئے نظمیں پڑھیں گئیں۔ اور میں بھیگی پلکوں کے ساتھ خواتین میں گھری بیٹھی سن سن کر مولا کریم کا شکر ادا کرتی رہی۔ وہیں مشتاق شباب کے رشید سہیل سے بھی ملاقات ہوئی وہ بھی علی کا سن کر ملنے آیا تھا۔ اور ایک شاندار چیٹر بھی علی کے لئے لایا تھا۔

رات گئے پروگرام ختم ہوا اُس کے بعد مہمانوں کو ایک شاندار Dinner دیا گیا اُس کے بعد ہم نے ڈاکٹر شفیق صاحب کے گھر سے کچھ ضروری سامان اُٹھایا اور باقی سامان وہی پر رہنے دیا کیوں کہ ہم نے پاکستان تو ہی سے جانا تھا رات تقریباً 1 بجے کے قریب نگہت بھابھی اور ڈاکٹر شفیق صاحب کو خدا حافظ کہہ کر ہم عتیق صاحب، ذکیہ بھابھی اور ارشاد احمد صدیقی کے ساتھ Upstate کے لئے روانہ ہو گئے سارے راستے گپ شپ لگتی رہی تقریباً 4 بجے کے قریب ہم عتیق صاحب کے گھر پہنچ گئے سامان وغیرہ دیکھا اور سو گئے کیوں کہ سخت تھکے ہوئے تھے صبح اُٹھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک بہت ہی شاندار وسیع عریض گھر عتیق صاحب نے ہمارے حوالہ کیا تھا

Scanned with CamScanner

دراصل خود تو وہ اپنے ہوٹل کے اندر ایک عمدہ اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔علی بھی ان کے ساتھ وہیں تھا مگر اب وہ ہم سب کو اپنی شاندار کوٹھی میں لے آئے اس وقت تو اندھیرا تھا اب جو دیکھا تو کیا خوبصورت گھر کیا خوبصورت لان اور کیا شاندار Swining Pool اللہ ان کے اور ان کے بچوں کو نصیب کرے۔اور ایسی کئی کوٹھیوں کا مالک بنائے۔آمین۔صبح صبح جب اٹھے تو ساتھ والے جنگل سے ہرن اپنے بچوں کے ساتھ عتیق صاحب کے لان میں گھوما گھاس کے لئے آئے ہوئے تھے۔ہر صبح ایک بہت ہی خوبصورت نظارہ دیکھنے کو ملتا یہاں تو صبح جب اٹھ کر کچن میں آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ فریج ضرورت سے زیادہ سامان سے بھرا ہوا ہر چیز پوری کسی چیز کی کمی نہ تھی بے ساختہ دل سے دعا نکلی۔اللہ تعالیٰ عتیق صاحب اور بھابھی کو اتنا دے کہ وہ سنبھال نہ سکیں۔اللہ تعالیٰ اُن کے بچوں کو کامیاب اور اُن کو اِن بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کریں (آمین ثم آمین)

کھانا ہمارا بھابھی خود بنا کر ہوٹل سے بھجوا دیتی اور ناشتہ ہم خود بناتے۔عتیق صاحب کا فون آجانا ناصر صاحب تیار ہو جاؤ میں آتا ہوں کہیں چلتے ہیں وہ روز ہمیں کہیں نہ کہیں لے کر جاتے گھماتے پھراتے سیر کراتے اور رات کو وہ ہمیں گھر چھوڑ کر خود ہوٹل چلے جاتے اِسی طرح ہوتے ہوتے ہم نے 15 دن عتیق صاحب کے ساتھ گزار لیئے۔ان ہی دِنوں میں نیویارک میں علی گڑھ المنائی والوں کا عالمی مشاعرہ تھا جس میں علی کو بھی دعوت نامہ ملا یہ بھی اعزاز کی بات کیوں کہ علی گڑھ المنائی نیویارک کے مشاعرہ میں کل 9 شاعر تھے اور ان نو (9) شاعروں میں علی کا نام بھی شامل تھا۔یہ اہتمام طاہر خان نے کیا تھا۔

ہمارے لئے یہ خوشی کی بات تھی لیکن اس کے لئے ہمیں Bang Hamton سے نیویارک جانا تھا سو ہم نے عتیق صاحب کو تکلیف سے بچانے کے لئے By Bus جانے کا فیصلہ کیا کہ اس طرح ہم سیر بھی کر لیں گے اور بس کا مزہ بھی لے لیں گے عتیق صاحب کے اصرار کے باوجود ہم By Bus نیویارک کے لئے روانہ ہو گئے سارے راستے انجوائے کرتے رہے بس میں وائی فائی کی وجہ سے ابتسام سارا راستہ پاکستان کے دوستوں کو راستوں کی سیر کراتا رہا جب

Scanned with CamScanner

ہم نیویارک Bus-Terminal پہنچے تو تسنیم شہزاد جو کہ اباسین آرٹس کونسل کے ممبر اور علی کے پرانے دوستوں میں سے ہیں جو کہ اب نیویارک میں رہتے ہیں ہمیں لینے آئے تھے اُن کے ساتھ ہم روانہ ہوگئے دراصل ہم نے طاہر خان حلقہ ارباب ذوق نیویارک کے سیکرٹری کے گھر جانا تھا جن کے ساتھ مل کر ہمیں علی گڑھ والے مشاعرہ میں جانا تھا راستے میں تسنیم نے کہا کہ کچھ ہلکا پھلکا سا کھانا کھا لیتے ہیں اس لئے وہ ہمیں ایک ہوٹل لے گئے وہاں ہم نے آرڈر دیا ہی تھا کہ طاہر صاحب کا فون آیا کہ یہ صبح سے میری بیوی جو کھانے پکا رہی ہے اُس کا کیا ہوگا۔ سو ہم نے ہوٹل والے سے Sorry کیا اور طاہر صاحب کے گھر کی طرف سب وے (ٹرین) سے چل پڑے وہاں اِسے Subway کہتے ہیں۔ Subway سے ہم Terminal پہنچے تو طاہر خان صاحب گاڑی لیے ہمارے انتظار میں کھڑے تھے اُن کے ساتھ ہم اُن کے گھر آ گئے ان کے گھر والوں سے ملاقات ہوئی سب لوگ بہت تپاک سے ملے بہت ہی ملنسار فیملی تھی۔ Lunch تیار تھا زبردست کھانا تھا۔ کھانا کھایا کچھ دیر آرام کیا کیوں کہ شام کو علی گڑھ مشاعرہ میں شرکت کرنا تھی سو آرام کرنے کے بعد چائے پی اور مشاعرہ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے وہاں پہنچے تو ایک عجیب سماں تھا۔ ہال لوگوں سے کچا کچ بھرا ہوا تھا سب سے پہلے وہاں لوگوں کو Dinner کرایا گیا اُس کے بعد مشاعرہ شروع ہو۔ دیر تک انڈیا کے ڈائریکٹر اور ممتاز شاعر گلزار کا انتظار رہا ان کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ قاسم پیرزادہ، وسیم بریلوی، ناصر علی سید کے ساتھ ساتھ بالی وڈ کے جانے پہچانے فنکار فلم بازار اور امراؤ جان ادا کے ہیرو فاروق شیخ بھی سٹیج پر تھے۔ رات گئے تک محفل جمی رہی مشاعرہ میں ڈاکٹر شفیق صاحب بھی آئے تھے واپسی پر ہم ان ہی کے ساتھ اُن کے گھر چلے گئے رات گزاری۔ صبح صبح ہی تسنیم کا فون آیا کہ میں آپ لوگوں کو لینے کے لئے آ رہا ہوں ابھی ہم ناشتہ کر رہے تھے کہ تسنیم آ گئے ہم اُن کے ساتھ SubWay کے ذریعے مختلف جگہوں پر گھومتے رہے لیکن سب سے خوبصورت تجربہ سمندر کی سیر تھی۔ جس کے لئے ہم تسنیم کے ساتھ آئی لینڈ فیری پہنچے ہمارے پہنچے کے کچھ دیر بعد اور سائرن کی طرح آواز بلند ہوتی جو اس بات کا اعلان تھا

کہ فیری روانگی کے لئے تیار ہے دروازوں کے کھلتے ہی ہم بھی اس ہجوم کا حصہ بن گئے جو فیری کی طرف لپک رہے تھے چند منٹوں بعد ہم فیری میں تھے ہم نے تسنیم بھائی سے ٹکٹ کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ ٹکٹ ہمیں فیری کے اندر ملے گے تو جواب میں انہوں نے مسکرا کر کہا مسافروں کو انتظامیہ کی طرف سے بغیر ٹکٹ مفت سفر کی یہ سہولت مہیا کی گئی ہے تسنیم بھائی ایک عمدہ آرٹسٹ تو ہیں مگر ایک مشاق فوٹو گرافر بھی ہیں انہوں فیری میں ہماری پیاری پیاری اور یادگار تصویریں بنائیں جس میں ہم سوار تھے۔ اس میں مین ہلٹن کو فوکس کرتے ہوئے بھی ہماری جو تصویریں بنائیں وہ تو بہت ہی شاندار ہیں اور ہاں تصویروں سے یاد آیا۔ کہ علی تو کیمرہ تو واشنگٹن ائیر پورٹ پر گم کر بیٹھا تھا، اور جس کا ایک افسوس تو یہ تھا کہ کیمرہ قیمتی تھا اور دوسرا یہ کہ اس میں فیملی پکچرز تھیں۔ لیکن کیا ہو سکتا تھا۔ ایک دن کہیں باتوں باتوں میں اس کیمرہ کا ذکر آیا اور سنی نے پوچھا تو بتانا پڑا کہ بیٹے وہ تو تمہارا پاپا کہیں پھینک آیا۔ پوری بات سننے کے بعد سنی نے کہا آپ کو آتے ہی بتانا چاہئے تھا۔ پھر بھی ایک ٹرائی کرتے ہیں اس نے داؤد بھائی سے بات کی کہ انکل کیا وہ واشنگٹن کے ''لاسٹ اینڈ فاؤنڈ'' میں نہیں مل جائے گا۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ حالانکہ اب ہمیں آئے ہوئے اب ہفتہ دس دن ہو چکے تھے۔ مگر کیمرہ کا میک اور نمبر ہمیں یا نہ تھا شام نے پاکستان مونا کو فون کیا۔ بوبی (بہزاد وسیم) بھی گھر پر تھا اسے جگہ بتائی کہ وہاں کیمرہ کا ڈبہ (پیکنگ) پڑا ہوگا۔ ماڈل اور نمبر بتا دو۔ اس نے بتا دیئے۔ شام نے لکھ کر داؤد بھائی کو دے دیئے۔ انہوں نے واشنگٹن ائیر پورٹ کے لوسٹ اینڈ فاؤنڈ سیکشن فون کیا۔ ادھر کسی سے بات ہوئی اس نے ماڈل اور نمبر پوچھا اور پھر ہولڈ کرایا۔ بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد آ کر بتایا کہ جی جناب آپ کا کیمرہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ کسی بھی وقت آ کر لے جا سکتے ہیں۔ داؤد بھائی نے بتایا کہ میں تو ڈینور کولوراڈو میں ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ اس کا مالک کون ہے اس کا ای میل آئی ڈی بھیجیں۔ علی کا ای میل بھیج دیا تو اس نے کہا دو منٹ بعد چیک کریں۔ دو منٹ بعد ایک ای میل آیا اس میں پورا پروسس لکھا ہوا تھا اور مختصر یہ کہ سات آٹھ دنوں کے بعد ڈاک سے ہمیں ہمارا کیمرہ مل گیا۔ حالانکہ

بلا شبہ اس وقت اس جگہ پر سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ مگر ہمارا کیمرہ واپس آ گیا تھا۔ چلئے واپس سمندر کی طرف چلتے ہیں۔ یہ دن کا وقت تھا اور ہم فیری میں سمندر کی سیر کر رہے تھے۔ فیری کی تینوں منزلوں پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ مجسمہ آزادی (سٹیچو آف لبرٹی) کو تو بس تصویروں میں دیکھا تھا اب ہمارے کیمرہ میں تصویر بن گیا تھا۔ خوب سیر کی خوب انجوائے کیا۔ اُس کے بعد جب ہم نے مین ہٹن میں قدم رکھا تو ٹائم اسکوائر کی چکا چوند نے ہمیں حیران کر دیا اور ہمیں لگا کہ ہم کسی اور ہی دنیا میں آ گئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نیویارک کے ٹائم اسکوائر کا جواب نہیں روشنیوں کی بہتات، رنگوں کی بہار، عمارتوں کا نکھار، انسانوں کی یلغار، تماشوں کی تکرار، آدمی کس کس چیز کو دیکھے اور تعریف کریں ہم تمام بازاروں میں گھومے اور سب کچھ دیکھا۔ مین ہٹن کی بڑی بڑی فلک بوس عمارتیں دیکھیں۔ سٹیچو آف لبرٹی دیکھا مین ہٹن نیویارک کا دل ہے۔ کیا خوبصورت شہر ہے۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ خوب سیر کی رات گئے واپسی ہوئی۔ واپسی پر تسنیم اپنے گھر لے گئے اُن کے گھر والوں سے ملے انہوں نے ہمارے لئے ڈنر تیار کیا ہوا تھا۔ ڈنر کیا گپ شپ لگائی رات گئے ہم پھر ڈاکٹر صاحب کے گھر آ گئے (بہت ہی پیار کرنے والی فیملی تھی) لیکن تسنیم کے ساتھ یہ وعدہ کر کے کہ جس دن ہم نے پاکستان جانا ہے اس سے ایک آدھ دن پہلے آپ کے پاس آئیں گے اور جو جگہ باقی رہتی ہے وہ دیکھ کر پاکستان جائیں گے۔ سو یہ وعدہ کرنے کے بعد ہم پھر واپس یعنی Upstate عتیق صاحب کے گھر آ گئے یہاں پر ہم دو تین دفعہ عتیق صاحب کے ساتھ اُن کے ہوٹل بھی گئے وہاں پر بھی بھابھی کے ہاتھ کے مزے مزے کے کھانے کھائے۔ رات دیر تک گپ لگی رہتی گپ شپ لگانے کے بعد رات گئے ہم گھر واپس آ جاتے (اکثر بھابھی اور عتیق صاحب جب اپنے گھر آتے تو میں اُن سے کہتی کہ آپ کے گھر میں آپ کے لئے کیا لاؤں۔ چائے بناؤں یا قہوہ تو بھابھی اور عتیق صاحب خفا ہو جاتے اور کہتے کہ بھابھی آپ یہ کیوں کہتی ہے یہ آپ کا گھر ہے۔ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں گھر اُنہی کا ہوتا ہے۔ اللہ میاں عتیق صاحب، بھابھی اور بچوں کو دنیا جہاں کی کامیابیاں اور خوشیاں نصیب کریں (آمین) یہ تو میں بتانا

Scanned with CamScanner

ہی بھول گئی کہ جب تک میں نیویارک میں تھی تو مجھے تسلی تھی کہ میرا بیٹا مجھ سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ جوں جوں واپسی کے دن قریب آ رہے تھے دل کو ایک دھڑکا سا لگا تھا کہ پھر وہی دوری شروع ہو جائے گی عید بھی قریب آ رہی تھی۔ عتیق صاحب کے بچے عید کے لئے عتیق صاحب کے پاس آ رہے تھے تو عتیق صاحب نے ایک ڈنر کا اہتمام کیا جس میں اُن کے بیٹے، بہو، پوتا، پوتی، بیٹی اور اُس کے ساتھ ہی اُن کا بھتیجا وقاص اور اُس کی بیگم بھی شامل تھی عتیق صاحب نے سوچا کہ ہم تو عید سے ایک دن پہلے پاکستان چلے جائے گئے تو انہوں نے اس ڈنر کا اہتمام عید سے پہلے کر لیا انہوں نے کہا کہ اب کہ عید سے ایک دن پہلے ہی عید منا لیتے ہیں بہت ہی شاندار ڈنر تھا۔ بھابھی نے کہا مزے مزے کی ڈش تیار کی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت عزت سے نوازے۔ رات دیر تک باتیں ہوتی رہی ذکیہ بھابھی مجھ سے اکثر سنی کے بارے میں سوالات کرتی رہتی اور ساتھ ساتھ اُداس بھی ہوتی کیوں کہ سنی اُن کو بھی بہت پیارا ہے میرا سنی ہے ہی ایسا مجھے کہتی کہ اب جاتے ہوئے تمہارے کیا تاثرات ہے میں نے کہا کہ امریکہ بہت خوبصورت پیارا اور صاف ستھرا ملک ہے مجھے اِس لئے بھی بہت پیارا ہے کیوں کہ یہاں پر میرا جان سے پیارا بیٹا رہتا ہے لیکن اپنا دیس تو اپنا دیس۔ (عتیق صاحب اور ذکیہ بھابھی بھی پاکستان کو نہیں بھولتے مسلسل یاد کرتے رہتے ہیں ہم جب بھی عتیق صاحب کے ساتھ شام کو سیر کے لئے نکلتے تو اکثر راستے میں رش والی جگہ کو عتیق صاحب کبھی قصہ خوانی، چوک یادگار، بازار کلاں اور مختلف بازاروں کے نام دیتے رہے) میں نے ذکیہ بھابھی سے کہا کہ بھابھی میں جب تک نیویارک میں تھی تو مجھے تسلی تھی کہ میرا بیٹا مجھ سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور اب جبکہ جا رہی ہوں تو میرے دل کی میرے خدا کو خبر ہے۔ آخری رات کافی دیر تک ہمارا موضوع سنی ہی رہا رات کو تقریباً 2 بجے کے قریب عتیق صاحب ہمیں گھر چھوڑنے آئے اور صبح کا کہہ کر پھر رخصت ہو گئے کیونکہ اب بھی ہم نے By Bus نیویارک جانا تھا۔ عتیق صاحب نے بہت کہا کہ میں چھوڑ کے آتا ہوں میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ چار گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ سو ہم نے سوچا کہ اُن کے بچے بھی عید کے لئے آئے

Scanned with CamScanner

ہوئے ہیں اور پھر واپسی پر اُن کو اکیلے آنا پڑے گا اس وجہ سے ہم نے انہیں روک دیا۔ ہم نے گھر پہنچ کر تیاری شروع کی۔ نیند کوسوں دور تھی۔ اتنے میں فون پر عتیق صاحب کی رنگ کہ میں نیچے کھڑا ہوں اُن کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی وہ سدا کے محبتی اور وقت کے پابند ٹائم سے پہلے آ گئے وہ بھی چپ چپ اور اداس تھے۔ تھے کیوں کہ علی کے ساتھ اُن کی کافی گپ شپ لگتی تھی بس ہم لوگ تیار ہوئے اور عتیق صاحب کے ساتھ Bus Terminal پر آئے۔ وہاں بھی وہ بار بار کہہ رہے تھے کہ میں آپ کو نیویارک چھوڑ آتا تو راستے میں گپ لگتی۔ علی کہتا۔ مگر واپس آپ اکیلے آتے تو یہ میرے لئے تکلیف دہ ہوتا دونوں دوستوں کی باتیں سنتی تو میں دعا کرتی کہ اللہ ان کی دوستی کو سلامت رکھے، نظر بد سے بچائے اور یہ آنے والی نسلوں کو منتقل ہو جائے کہ جیسے عتیق بھائی اور ذکیہ بھابی کو مولا کریم نے ایک محبت بھرا خوبصورت دل دیا ہے ویسا ہی محبت والا گھرانہ دیا ہے ان کے تینوں بچے بھی ان کی طرح بلا کے محبتی ہیں۔ جلد ہی دوبارہ ملنے کی دعاؤں کی قبولیت کی آس پر اُن کو خدا حافظ کہا اور نیویارک کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ سارے راستے خاموشی اب کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ تینوں مسافر اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔ راستے میں ایک جگہ ریفریشمنٹ کے لئے بس رکی تو شام بھی باقی سواریوں کے ساتھ نیچے اترا تو میں نے علی سے کہا۔ کیا سوچ رہے ہیں کہنے لگے ''افراز سے جدائی کا دکھ جو ڈینور سے نیویارک تک دل مسوس رہا تھا۔ بینگ ہمٹن میں عتیق بھائی اور بھابی کی محبت نے اس کو بھلا دینے کی حد تک کم کر دیا تھا۔ مگر اب ان کی جدائی کے زخموں پر کون پھاہے رکھے گا۔'' میں نے کہا آؤ ہم بھی اپنے لئے کافی لے آئیں۔ 4/3 گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم نیویارک Terminal پر پہنچے وہاں سے ہم امریکن مزاج کے برعکس مہمانوں اور دوستوں کے لیئے اپنے سو ضروری کام چھوڑنے والے تسنیم شہزاد کی مدد سے ڈاکٹر شفیق صاحب کے گھر پہنچے، وہاں سامان رکھا، چائے پی کیونکہ ہمارا باقی سامان بھی پہلے سے یہاں پڑا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہم تسنیم کے گھر پہنچے وہاں انہوں نے ہمارے لئے لنچ تیار کیا ہوا تھا۔ لنچ کیا اور اُن کے ساتھ ہم سیر کے لئے جیکسن ہائیٹس آ گئے وہاں پر آج دیوالی کا پروگرام تھا

وہ Attend کیا، سٹیج پر خوبصورت شو جاری تھا پرفارمنسز ہو رہی تھیں اچانک کمپئیر نے اناؤنس کیا، علی نے اور میں نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف حیرانی سے دیکھا، اناؤسمنٹ تھی کہ " خواتین وحضرات۔اس سے ہمارے بیچ پاکستان کے ایک کوی ناصر علی سید آئے ہیں۔ہم انہیں دیپاولی (دیوالی) کی شبھ کامنائیں کہتے ہیں۔اور کچھ ہی دیر میں انہیں منچ پر بلائیں گے"میں نے پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگے یہ سب کارستانی تسنیم شہزاد کی ہے۔مگر میں کیا کہوں گا اس وقت تو کوئی شعر بھی ایسا یاد نہیں جو دیوالی کے موقع پر مس فٹ نہ لگے۔پھر کہنے لگے۔رکو رکو ایک بہت پرانا شعر یاد آگیا۔

لکشمی سے حسن کی پھر بھی نہیں مایوس دل

شب ہے دیوالی کی اور جلتا دیا گھر میں نہیں

تسنیم شہزاد نیویارک میں عموماً اور ہر طرح کی تقریبات میں خصوصاً ایک تو اپنی ہر ایک شخص سے پیار محبت عزت واحترام اور جی جان کی وجہ سے بہت پاپولر ہے اور دوسرے یہ 90 فی صد سے زیادہ تقریبات کا آفیشل فوٹوگرافر ہوتا ہے۔اس لئے خاصا "ان" رہتا ہے۔پھر سٹیج کے بیک ڈراپ (پینا فلیکس) وغیرہ بھی کمال بناتا ہے۔کیونکہ علی بتاتا ہے کہ یہ بنیادی پر تو پینٹنگ آرٹسٹ ہے پشاور صدر میں "تسنیم آرٹ گیلری" اسی کی تھی۔نیویارک آنے والے ادبی احباب کو اگر کہیں ٹھکانہ میسر نہ ہو تو ان کی مدد کے لئے تسنیم تیار رہتا ہے۔بھابی بتا رہی تھی کہ ممتاز گلوکار مسعود ملک مرحوم (ہم تم ہوں گے بادل ہوگا، فیم) تسنیم کے دوست تھے انہیں فوت ہوئے تو ایک زمانہ ہو گیا ہے مگر اب بھی اگر ان کی مسز اور معروف شاعرہ عائشہ ملک نیویارک آئے تو یہاں ہمارے گھر ضرور آتی ہے اور ابھی کچھ ہی عرصہ قبل ہو ہمارے ہاں کئی ہفتے رہ کر واپس گئی ہے۔دیوالی شو کی رونقیں موج مستی رقص وموسیقی اپنے جگہ مگر میں نے کہا چلتے ہیں اور ہر چند علی تو ابھی بھی نہیں آنا چاہتے تھے، دل تو اتنی اچھی محفل چھوڑنے کو میرا بھی نہیں چاہ رہا تھا لیکن کیا کرتے۔آج ہماری نیویارک میں آخری رات تھی۔جی بھر کر نیویارک کو دیکھا۔تسنیم کی فیملی کو خدا حافظ کیا اور جلدی

جلدی ڈاکٹر شفیق صاحب کے گھر پہنچے وہاں بہنوں سے بڑھ کر دل میں گھر کر جانے والی نگہت بھابھی Dinner پر ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ وہاں ڈنر کیا سامان اکٹھا کیا اور اس کے بعد بھابھی کو خدا حافظ کہنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی گاڑی میں ایئرپورٹ روانہ ہو گئے ہم جلدی اس لئے بھی جانا چاہتے تھے کہ سامان کی چیکنگ میں بہت ٹائم لگتا ہے۔ ایئرپورٹ پہنچے ڈاکٹر شفیق صاحب کو خدا حافظ کہا اور اندر Lugeges کی Checking کے لئے ڈرتے ڈرتے آئے کہ ہمارے اٹاچی مطلوبہ وزن سے قدرے بھاری تھے اور ضرورت سے زیادہ سامان ایڈجسمنٹ کی خاطر ہم نے کیری آن میں ٹھونسا ہوا تھا۔ آئے وہاں کاؤنٹر پر ایک مسکراتی لڑکی سے واسطہ پڑا اُس نے مسکرا مسکرا کہ ہمارے سارے اٹاچی وزن کئے ایک نظر ہمیں دیکھ کر Lugege میں ڈال دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا اگر Carry on بھی Lurages میں بھیجنا ہے تو وہ بھی دے دیں میں سمجھی طنز کر رہی ہے کہ پہلے ہی وزن زیادہ تھا مگر اس نے مسکراتے ہوئے ''امارات'' کے دو ہلکے پھلکے بیگ پکڑا دیئے کہ دبئی میں جن چیزوں کی ضرورت ہو گی وہ اس میں ڈال دیں ہم نے کچھ ضروری چیزیں نکال کر سارا سامان اس کے حوالے کر دیا، اور خود آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد ہماری Cheeking کا مسئلہ کیری آن ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے نسبتاً آسان ہوا۔ اور بالآخر وہ بھی خدا خدا کر کے حل ہو گیا اور ہم اپنے ٹرمینل کے نزدیک پہنچ گئے۔ اب دل کی حالت اور تھی اور اب پکا یقین تھا کہ اب تک تو Denver سے آنے کے بعد نیویارک تک ہی تسلی تھی کہ میرا شہزادہ مجھ سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے لیکن اب جب جہاز میں بیٹھنے کی باری آئی تو دل نے عجیب طرح سے دھڑکنا شروع کر دیا کہ اب تو پھر وہی حالت ہو گئی جو Denver آنے سے پہلے پاکستان میں تھی جہاز میں بیٹھے اور کھڑکی میں سے ایئرپورٹ کو دیکھا ایسے لگتا تھا کہ جیسے آسمان کے ستارے زمین پر آ گئے ہو۔ روشنیوں کا شہر نیویارک زیرلب کہا اور پھر اس پر آخری نظر ڈالی اور اپنی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھ گئی اور کھڑکی میں سے دور ہوتے ہوئے نیویارک کو دیکھتی رہی اور یہی سوچتی رہی یا رزق یا نصیب کون جانے یہ جگہ پھر دیکھنا نصیب ہوتی ہے کہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ دکھ بھی تنگ کر رہا تھا

Scanned with CamScanner

کہ میرا بیٹا مجھ سے بہت دور ہو جائے گا آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی لیکن علی کی وجہ سے چپ کیوں کہ انہوں نے سختی سے منع کیا تھا کہ رونا نہیں میں نے بھی سر ہلا کر وعدہ کر لیا مگر جب کیپٹن نے اناؤنسمنٹ کی کہ سفر کا آغاز کرنے والے ہیں اور جہاز نے جب ٹیکسی کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پہلے تیز ہوا اور پھر جب اُس نے نیویارک کی زمین کو چھوڑا تو پھر میری آنکھوں نے نہ علی کی بات کا سوچا اور نہ میرے وعدے کی پروا کی اور برسنا شروع کر دیا تو پھر برستی ہی چلی گئیں۔ جہاز کی لائٹس تو پہلے ہی آف تھی تو میں نے بھی اپنے دل کا غبار خوب نکالا اب ہم نے مسلسل 16 گھنٹے کا سفر کرنا تھا علی کوئی بات کرتے تو ہوں ہاں میں جواب دیتی۔ دل کا ٹکڑا دور ہوتا جا رہا تھا دعائیں لبوں پر جاری تھیں، اللہ اُسے کامرانیاں اور کامیاباں نصیب کریں۔ اللہ زندگی کی ہر خوشی اُس کے نصیب میں لکھ دیں (آمین ثم آمین) پھر تمام راستے سوتے جاگتے گذرا اور پھر کپتان کی آواز آئی کہ دبئی ایئرپورٹ آنے والا ہے دوبئی پہنچے ایئرپورٹ سے باہر آئے Shuttle تیار کھڑی تھی ہوٹل پہنچے وہی سے میں نے اپنی بھانجی سے جو کہ شارجہ میں تھی اُس سے بات کرنا تھی کیوں کہ دبئی سے Denver جاتے ہوئے اُس سے Promise کیا تھا کہ واپسی پر تمہاری طرف ضرور آئیں گے لیکن ابھی یہاں زیادہ ٹائم Stay نہیں تھا کمروں میں آئے آرام کیا فریش ہوئے شاور لئے اور پھر ثمی کا نمبر تلاش کرنے لگے مگر نہ ملا۔ سو اس سے بات نہ ہو سکی پھر پاکستان پہنچے کے بعد پتہ چلا کہ وہ بے چاری میرے لئے Dinner پر انتظار کر رہی تھی کھانے وغیرہ تیار کئے ہوئے تھے لیکن اُس کا فون نہیں مل رہا تھا۔ اس لئے اُس سے بات نہ ہو سکی۔ ہوٹل سے مونا کے ساتھ پاکستان بات ہوئی،۔ مونا ہمارے پاکستان سے جانے کے بعد میرے بھتیجے بہزاد وسیم اس کی بیگم سلمٰی سمیت ہمارے گھر آ گئی تھیں۔ بعد میں سلمٰی کے سکول کھلنے کی وجہ وہ گئے تو میرا بھائی خالد مونا کے پاس آ گیا۔ ہماری غیر حاضری میں مونا نے گھر کا خیال خوب رکھا۔ ثمی کا نمبر اس کے پاس بھی نہ تھا، Denver سنی سے بات کی۔ ڈنر کیا اور پھر پاکستان آنے کی تیاری شروع کی۔ رات تقریباً 4 بجے ہماری فلائٹ تھی۔ Shuttle کے ذریعے واپس

Scanned with CamScanner

ایئرپورٹ پہنچے وہاں Cheeking کے بعد ہم ااپنے ٹرمنل کے نزدیک پہنچ گئے وہاں ایک ہنگامہ تھامیں نے کہاشاید بیک وقت دو یا تین جہازوں کی پرواز ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ایک ہی جہاز کے مسافر ہیں۔ یہ سب پاکستان اور خیبر پختونخوا کے گلف سٹیٹس میں کام کرنے والے مسافر ہیں جو وطن لوٹ رہے ہیں، کیونکہ کل عیدِ قرباں ہے۔ وہیں پر ہماری ملاقات اپنی کزن کے بیٹے مون (عبادش) سے ہوئی وہ بھی اسی فلائٹ سے اپنے وطن عید منانے جار ہاتھا اس وقت ایک بار پھر شدت سے مجھے سنی یاد آیا مسافری بڑی خراب چیز ہے۔ میرے کزن کے علاوہ دوبئی سے تقریباً 500 یا 1000 لوگ اپنے وطن پاکستان عید منانے جارہے تھے سب کے چہروں پر خوشی تھی دل تو ہمارا بھی خوش تھا کہ ہم بھی اپنے وطن پشاور پہنچ رہے ہیں لیکن دل کے ایک کونے سے یہی آواز آئی کہ دل کا ایک ٹکڑا دور بہت دور عید منائے گا۔ سفر کرتے کرتے۔ پھر دل کو تسلی دیتی کہ نہیں اُس کی زندگی کی ہم سفر کومل اس کے ساتھ ہے کومل کی فیملی اس کے ساتھ ہے۔ ہم دور سہی ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ بس دل کے ساتھ یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ آخر کار اناؤنسمنٹ کی آواز کانوں میں پڑی کہ اب ہم پشاور ایئرپورٹ پر اُترنے والے ہیں دل بہت خوش ہوا کہ ہم اپنی سرزمین پر قدم رکھنے والے ہیں جوں ہی جہاز نے Land کیا دل کو ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی ہونٹوں سے الحمدللہ کا ورد رواں تھا۔ جہاز سے باہر نکلے سامان وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ایئرپورٹ سے باہر آئے تو خالد۔ ذیشان، مونا، ثمینہ، صیام، ابتہاج، وہاج، عینی، حُر بھائی جان، ثریا بھابھی اور خاص کر استاد بشیر ہمیں لینے آئے تھے سب سے مل کر بہت خوشی ہوئی سب خوشی خوشی گھر واپس آئے۔ جی ہاں خوشی خوشی کیونکہ امریکہ جو بہت دور تھا اب پاس پاس لگ رہا تھا۔ میں اپنے ساتھ وہاں کی خوشبو جو لے آئی تھی۔ جہاں افراز اپنی دلہن کومل کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کر چکا تھا۔ زندگی تو چلتی رہتی ہے، آگے بڑھتی رہتی ہے۔۔۔ اور زندگی کو چلتے رہنا چاہیئے۔۔۔ آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔

☆..............☆..............☆

Scanned with CamScanner

اب لوٹ کے آئے ہو تو گھر کیسا لگا ہے

مرزا یاس یگانہ نے کہا تھا

شدّت لکھنو، ارے توبہ۔۔۔ پھر وہی ہم وہی امین آباد

امین آباد لکھنو کے دل میں واقع ایک چھوٹا سا بازار ہے جسے یاس یگانہ دل کی دھڑکنوں میں بسائے رکھتے تھے اہلِ لکھنو نے اس نابغہ روزگار کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا اس سے بے مزہ ہوئے بغیر وہ جب بھی سفر پر نکلتے واپسی کے لئے بے قرار رہتے۔ ایسی ہی بے قراری بیرون ملک مقیم پشاوریوں کی بھی پشاور کے لئے رہتی ہے۔ کہ اس شہر طرحدار پشاور کی شدّتیں لکھنو سے کہیں زیادہ ہیں۔ میں جب امریکہ میں اپنے 70 روزہ قیام کے بعد واپس آنے کی تیاریوں میں تھا تو مجھے اپنے دل کے بہت قریب پشاوری دوستوں کے چہروں پر ایک غیر محسوس افسردگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں اس دوران جس بھی دوست کے پاس گیا، رہا واپسی پر پشاور کے لئے اس کی جذباتی کیفیت دل میں بھرتا رہا لیکن چونکہ ان دوستوں سے الگ ہوتے وقت یہ بات بھی سامنے تھی کہ ابھی مجھے کچھ اور دن امریکہ ہی میں قیام کرنا ہے اس لئے ان جذبات میں اس طرح کی شدت ذرا کم کم تھی جو امریکہ کے قیام کے آخری لمحوں میں بچھڑنے والے احباب کے چہروں پر تھی۔ گویا یہ تو پہنچا میں رہا جاتا ہوں۔ اور میرے سفر کا آخری پڑاؤ بینگ ہیمپٹن تھا جہاں عتیق صدیقی اپنی سراپا محبت فیملی کے ساتھ دیدہ و دل فرشِ راہ کئے دوستوں کی آمد کے منتظر رہتے ہیں اور جہاں آئے دن احباب کی اکٹھ کے میلے لگے رہتے ہیں۔ مگر اس بے حد خوبصورت شہر میں انتہائی پرلطف شب و روز بتاتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی پشاور ہماری گفتگو سے باہر نہ تھا۔ ”چلئے آج آپ کو چوک یادگار لئے چلتے ہیں۔ مگر اوپر سے ہو کر آتے ہیں یعنی سرکلر روڈ سے ہوتے ہوئے سرکی میں سے انٹر ہو کر دتہ سویٹ ہاؤس سے ہوتے ہوئے نمک منڈی میں داخل ہو

جائیں گے" گویا میٹھا اور نمکین ساتھ ساتھ میں لقمہ دیتا ہوں تو عتیق صدیقی زندگی سے بھرپور قہقہہ لگاتے ہیں۔ گاڑی بینگ ہیمٹن کی کشادہ اور خوبصورت سڑکوں پر تیرتی چلی جارہی تھی اور ہم سوئیکا رنو سکوائر سے اب کابلی گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک قصبے کے بازار سے گزرتے ہوئے عتیق صدیقی نے کہا یہ قصہ خوانی ہے میں نے بیک ویو مرر میں پچھلے سیٹوں پر بیٹھے ابتسام اور رفعت کو دیکھا ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی وہ دائیں بائیں تیزی سے گزرتے ہوئے شاپنگ مال اور سڑک کے کنارے درختوں کے رنگ بدلتے پتوں کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اتنی دیر میں ہم دوشہروں کے سنگم پر واقع ایک پُر رونق علاقہ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑے کرتے ہی عتیق صدیقی کا ناسٹیلجیا چوک یادگار پہنچ چکا تھا۔ اور یہ ہمارا روز کا معمول تھا جب بھی ہم گھر سے نکلتے پشاور کے گلی کوچے ہمارے ساتھ ساتھ چلتے۔ گویا

عجیب میٹھی سی چھاؤں میں دن گذرتے ہیں۔۔ جہاں بھی جاؤں، میرا گاؤں ساتھ رہتا ہے اسی شہر دلربا کے لئے عتیق صدیقی اور ان کے گھرانے کو ایک رات ذکیہ بھابی کی طرف سے دیئے گئے شاندار عشائیہ کے بعد نصف شب کے بعد جب آٹھویں کا چاند بھیگے بھیگے ماحول کی اداسی میں اضافہ کرر ہا تھا ہم نے بھیگی پلکوں اور بوجھل دل کے ساتھ بھابی سے لے کر ارتقاء کے نومولود بیٹے عالیان صدیقی تک کی ساری فیملی کو الوداع کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئے اور یہ پہلا موقع تھا جب بینگ ہمٹن کی سڑکوں پر عتیق صدیقی ہونٹ بھینچے ہوئے خاموشی سے ڈرائیونگ کرر ہے تھے مگر ان کے چہرے پر ڈیرے جمائے اداسی بہت سی کہانیاں سنا رہی تھی۔ پھر نیویارک سے ہمیں پشاور کے جانے پہچانے مصور دوست تسنیم شہزادا اور احمد فراز کے نیویارک میں مستقل میزبان شاعر و کالم نگار ڈاکٹر شفیق کی فیمیلیز کی محبتیں جان ایف کینیڈی ائیر پورٹ تک بانہوں میں بھر کر لائیں۔ مگر نیویارک سے دبئی تک کا پندرہ گھنٹے کا طویل اور مسلسل سفر عجیب کشمکش میں طے کیا۔ ایک طرف واپسی کی خوشی اور سرشاری دوسری طرف افراز سے دوری کا احساس جسے بوجوہ میں تو ضبط کئے بیٹھا تھا۔ مگر رفعت کی چپ رفتہ رفتہ گہری ہورہی تھی۔ مجھے اس چپ کے معانی معلوم تھے اس لئے میں بھی چپ تھا گاہے گاہے بہانے بہانے کوئی ذکر بھی چھیڑ دیتا جس کا جواب ابتسام تو دے دیتا مگر

ادھر سے محض ہوں ہاں ہی سنائی دیتی۔ پلکوں کے پیچھے آنسو اکٹھے ہو رہے تھے اور بات کرنے سے اس بند کے ٹوٹنے کا خدشہ تھا۔ اب جہاز ٹیکسی کرنے لگا تھا لیکن جونہی اس نے ٹیک آف کرتے ہوئے امریکہ کی زمین کو چھوڑا۔ رفعت کی چپ سسکیوں میں بدل گئی۔ جو اس طویل سفر میں دیر تک سنائی دیں۔ جب دبئی کی جل بجھ بتیوں کا سحر انگیز منظر کھڑکیوں سے نظر آنے لگا تو پشاور سے قریب ہونے کے احساس نے جدائی کے زخموں پر پھاہے رکھنے شروع کر دیئے۔ مزید ڈھارس دبئی سے پشاور جانے والی پرواز کے مسافروں کو دیکھ کر بندھی۔ یہ سارے پشاور اور خیبر پختونخوا عید منانے جا رہے تھے۔ بہت سے مسافر جان پہچان کے بھی نکل آئے جن میں شام کا کزن عباد ش (مون) اور ممتاز پشتو گلوکار بھی تھا۔ دبئی سے پشاور کا سفر خاصا خوشگوار طے ہو رہا تھا مگر پشاور پہنچنے سے زرا پہلے ایئر ہوسٹس نے میرے قریب بیٹھے مسافر سے کچھ کہا۔ اس مسافر نے میری طرف دیکھا اور پشتو میں کہا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ میں نے مسکراتی ہوئی عرب ہوائی میزبان سے پوچھا اس نے کہا کہ جب ہم لینڈ کریں گے اور مسافر اترنے لگیں تو اسے کہیں کہ یہ سیٹ پر بیٹھا رہے۔ میں نے اس مسافر کو پیغام دے دیا اور دخل در معقولات کرتے ہوئے اس پوچھ لیا کہ ''کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' اس نے جو کہانی سنائی اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ سفر کے آخری لمحے تھے جہاز لینڈ کر رہا تھا عید کے لئے تعطیلات پر آئے دبئی کے مسافروں کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی۔ رفعت اور ابتسام پشاور کی سرزمین پر پہنچنے کے تصور سے سرشار اترنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ میں اس مسافر کے ساتھ کسی اور کیفیت میں تھا۔ جلد ہی جہاز سے پشاور کی جادوئی زمیں کو چھو لیا۔ لوگ باہر نکلنے لگے اور آخر میں اس مسافر کو چھوڑ کر ہم بھی نکل آئے جہاز کی سیڑھیوں سے ہی ذیشان پر نظر پڑی اور پھر جب عزیزم حسام حر، استاد صوفی بشیر سمیت پشاور اور اکوڑہ خٹک کے فیملی ممبرز کے ساتھ ملتے ہوئے احساس ہوا جیسے سب کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔۔۔

بے نام دیاروں کا سفر کیسا لگا ہے
اب لوٹ کے آئے ہو تو گھر کیسا لگا ہے

Scanned with CamScanner

ہماری شائع کردہ کتابیں

حسینوں کے خطوط	حسام حر
سنہری برف کی بے داغ چادر	حسام حر
زندگی (ہندکو)	ناصر علی سید
ہندکو نامہ	خاطر غزنوی
دشمن آسمان اپنا	راجہ منیر حیدر
شامیں فریب دیتی ہیں	ناصر علی سید
محبت بے کراں ہے	ناصر علی سید
بھاکری منزل	ڈاکٹر سید امجد حسین
محبت اسم اعظم ہے	عفت شاہین عینی
شعر بہانہ ان کی ثناء کا	نور حکیم جیلانی
کرشن چندر کی ذہنی تشکیل	محمد اویس قرنی
ادب کے اطراف میں	ناصر علی سید
خاک وطن	عتیق احمد صدیقی
دیدۂ بے خواب	ڈاکٹر محمد شفیق
روشندان میں اندھیرا	یوسف عزیز زاہد
دود چراغ	شمیم بھیروی
سونے کی چڑیا کانچ کا مقدر	ڈاکٹر شاہدہ دلاور شاہ
خواب اور موسم	عزیز اعجاز
زندگی (اردو)	ناصر علی سید / مشتاق احمد
امریکہ کتنا دور کتنا پاس	رفعت علی سید

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

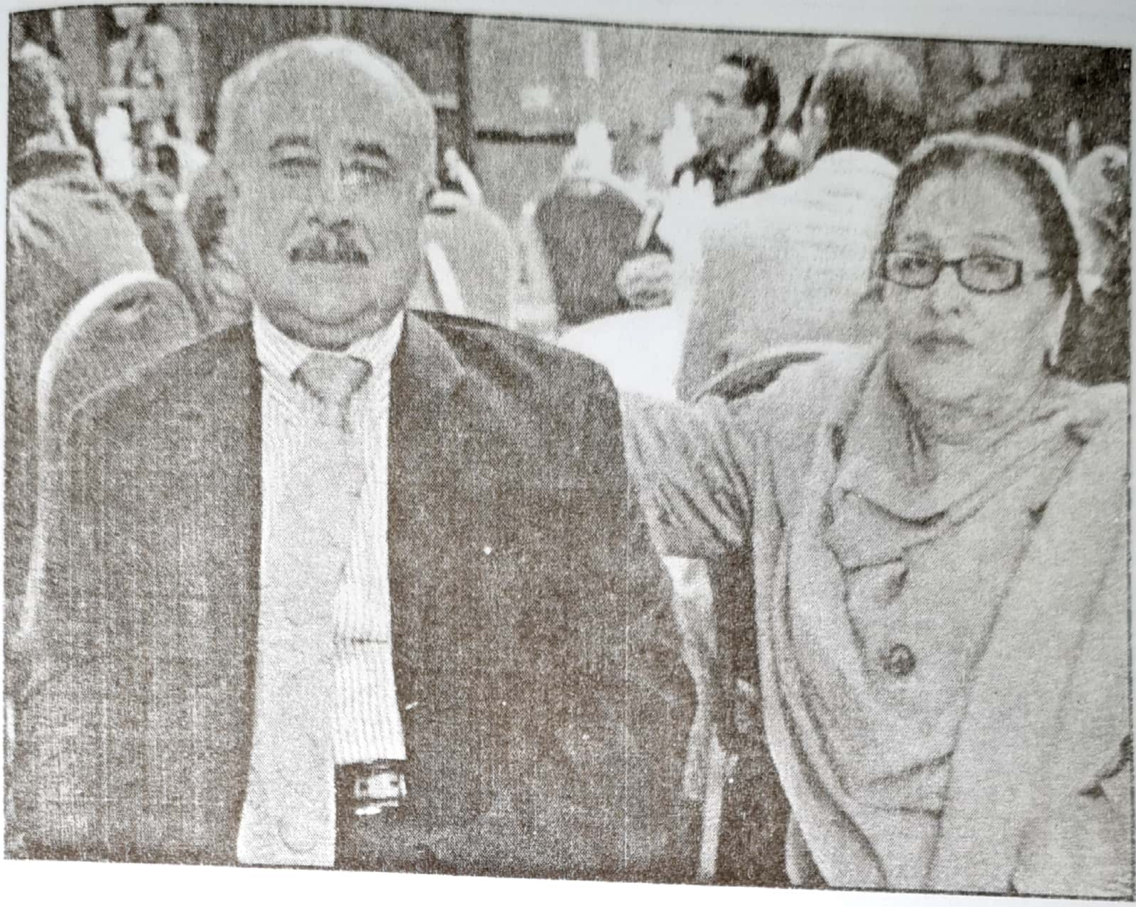

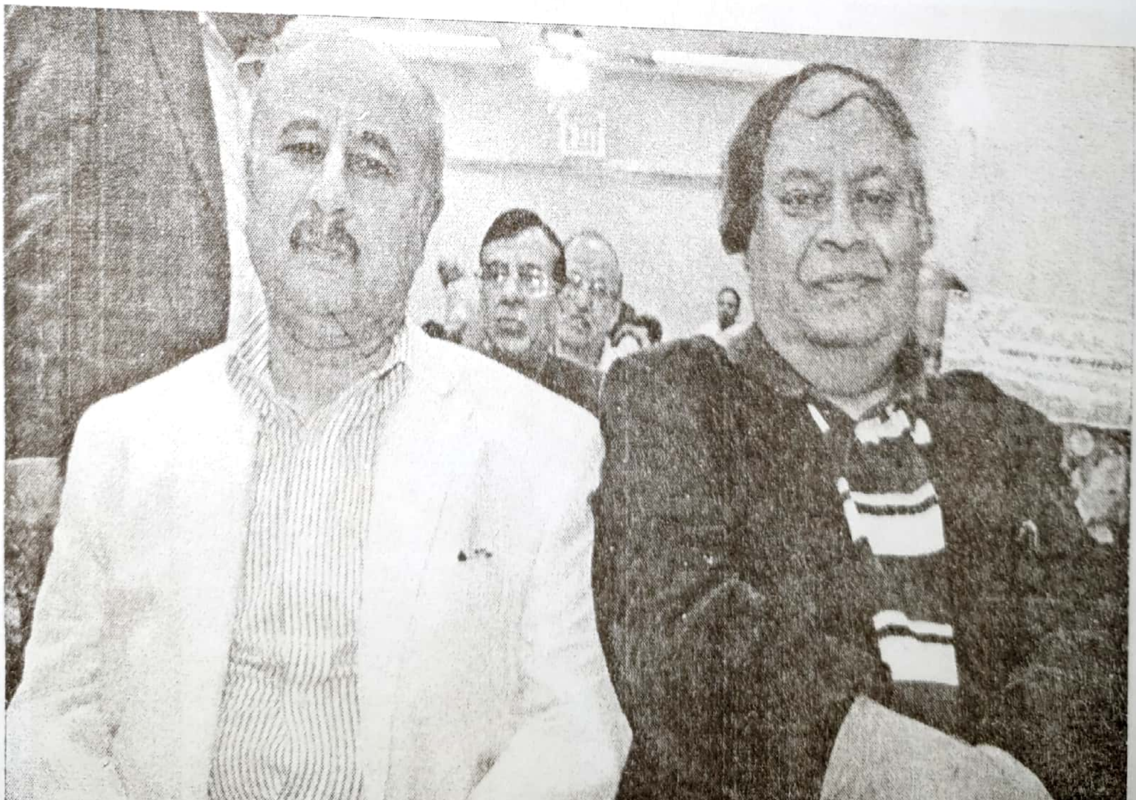

Scanned with CamScanner

تقریب رونمائی
منجانب
حلقۂ ارباب ذوق نیویارک
September 2

''امریکہ ___ کتنا دور کتنا پاس'' (محترمہ رفعت علی سید) ایک
خاصے کی چیز ہے۔ ایسی دل گداز اور متاثر کن تحریریں خال خال
ہی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اس مضمون نے ثابت کر دیا کہ علم و ادب کے
میں ___ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی

ملاقات پبلیکیشنز گلبہار پشاور شہر